مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

انصارالدین

جلد۱۳ نمبر۶ نبوت/فتح ۱۳۹۵ ہجری شمسی نومبر - دسمبر ۲۰۱۶ء



﴾بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴿

انصار الدین

جلد 13 نمبر 6 | یہ رسالہ قیادت اشاعت مجلس انصاراللہ برطانیہ کے زیرِ انتظام شائع کیا جاتا ہے | نومبر و دسمبر 2016ء

انصاراللّٰہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: راجہ منیر احمد
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ترسیل: سعادت جان (انچارج)
محمد یوسف۔ ناصر احمد میر۔
محمد اعظم خان۔ سلیم احمد

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ (الرعد: 22)

اور وہ لوگ جو اسے جوڑتے ہیں جسے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے خوف کھاتے ہیں۔

فرمایا کہ ایک صاحبِ عقل اور حقیقی مومن کی نشانی یہ ہے کہ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ۔ یعنی وہ اُن تعلقات کو قائم کرتے ہیں جن کے قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حصہ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے خلاصۃً اس طرح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور محبت میں کمال حاصل کر کے اُس کے حکم اور اُس کی ہدایت کے ماتحت مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مخلوق سے رشتہ اتحاد و اخوت اور احسان جوڑتے ہیں۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور محبت کا کمال اس لئے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ کہ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ اپنے ربّ کی خشیت دل میں رکھتے ہیں۔ اور خشیت لغت میں کسی اعلیٰ صفات والی چیز کے کمال و حسن کو پہچاننے کے بعد اُس کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے خوف کو کہتے ہیں۔ کہیں میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ یعنی خشیت اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اُس چیز کی معرفت حاصل ہو جس سے خوف کیا گیا ہے۔ نیز خوف نقصان یا ضرر کا نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ انسان یقین کرے کہ وہ چیز نہایت اعلیٰ اور عظمت والی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت کی وجہ سے اُس کا قرب کھو بیٹھوں اور ایک مومن کے نزدیک زمین و آسمان میں سب سے اعلیٰ اور عظمت والی چیز خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 409)

پس اس کے علاوہ نہ کوئی چیز ہے اور نہ کوئی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا کہ مومن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اُس کی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہی ایک مومن کی نشانی ہے۔ پس یہ خشیت اور برے حساب کا خوف ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق کے حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے دامن گیر ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ یہی مومن کی نشانی ہے۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ اُس سے ناراض ہو، اُس کو دھتکار دے۔ عموماً یہی کہا جاتا ہے بلکہ ایک حقیقی مومن نہ بھی ہو، تھوڑا سا بھی ایمان ہو تو وہ یہی چاہتا ہے۔

لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ہیں جو قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، اُس کا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں، خدا تعالیٰ کے خوف کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھتکارے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حق ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے، اُن کو حقیقی رنگ میں جوڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پس ہم احمدیوں کو اس بارے میں اپنے جائزے لیتے رہنا چاہئے۔

(ماخوذ از خطبہ جمعہ فرمودہ یکم مارچ 2013ء)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب حضور گھر کی طرف جانے لگے تو مَیں بھی آپؐ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں اور بچے بھی شامل ہو گئے۔ حضورؐ نے ایک ایک کر کے میرے سمیت سب کے رخسار تھپتھپائے۔ مَیں نے حضورؐ کے ہاتھ کو اتنا ٹھنڈا اور خوشبودار پایا گویا کہ آپؐ نے اسے عطار کے تھیلے سے نکالا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب طیب رائحۃ النبیؐ)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بزرگ فرشتے گھومتے رہتے ہیں اور انہیں ذکر کی مجالس کی تلاش رہتی ہے۔ جب وہ کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور پروں سے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ ساری فضا ان کے سایہ برکت سے معمور ہو جاتی ہے۔ جب لوگ اس مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو وہ بھی آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الذکر باب فضل مجالس الذکر)

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب تم کسی شخص کو مسجد میں عبادت کے لئے آتے جاتے دیکھو تو تم اس کے مومن ہونے کی گواہی دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اللہ کی مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ترمذی ابواب التفسیر، سورۃ التوبہ)

حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر مسجد تعمیر کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر تعمیر کرتا ہے۔

(صحیح مسلم باب فضل بناء المساجد)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد میں تین خوبیاں ضرور پیدا کرو۔ اپنے نبی سے محبت، نبی کے اہل بیت کی محبت اور تلاوت قرآن۔ کیونکہ حاملین قرآن اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اصفیاء کے ساتھ اس روز اللہ کے سائے کے نیچے ہوں گے جس دن کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔

(الجامع الصغیر سیوطی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

(بخاری کتاب الصوم باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان)

کلام الامام علیہ السلام

مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔

اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے۔

''ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ ہمت اخلاق فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے۔ ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لئے تیار رہنا چاہئے اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہوّر رہوتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لئے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔

انسان سے کبھی ایسا کام ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے۔ مثلاً کسی سائل کو اگر دھکا دیا تو سختی کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے اور اُسے توفیق نہیں ملے گی کہ اُسے کچھ دے سکے، لیکن اگر نرمی یا اخلاق سے پیش آوے گا اور خواہ اسے پیالہ پانی ہی کا دیدے تو وہ ازالہٗ قبض کا موجب ہو جاوے گا۔

انسان پر قبض اور بسط کی حالت آتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھتی ہے، نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ جب یہ صورت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے، نماز بھی بار بار پڑھے، قبض کے دُور ہونے کا یہی علاج ہے۔

علم سے مراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (سورۃ الفاطر:29)۔ اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے۔''

(ملفوظات جلد سوم جدید ایڈیشن صفحہ 7-6)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

''یہ ذمہ داریاں کیا ہیں جن کو ایک ناصر کو ادا کرنا چاہئے؟ ان کا خلاصہ انصاراللہ کے عہد میں بیان ہو گیا ہے۔ پہلی بات یہ کہ ہر ناصر، ہر شخص جو مجلس انصاراللہ کا ممبر ہے اسلام کی مضبوطی اور احمدیت پر سچے دل سے قائم ہونے کی کوشش کرے۔ اور اسلام کی مضبوطی کے لئے کوشش اپنے علم اور طاقت سے نہیں ہو سکتی۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے اور تعلیم کے لحاظ سے کامل اور مکمل دین ہے۔ اس میں کسی انسان نے تو کوئی اور مضبوطی پیدا نہیں کرنی ہے۔ ہاں اپنے آپ کو اس سے مضبوط تعلق پیدا کرنے کے لئے کوشش کی ضرورت ہے تا کہ اس کامل اور مکمل دین کا ہم مضبوط حصہ بن سکیں۔ اور یہ بات خدا تعالیٰ سے تعلق کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہئے اور انصار اللہ کے معیار سب سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق نہ ہو جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجو، اس کی طرف توجہ دو۔ پس یہ بہت ضروری چیز ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے کا حق ادا کرنا ہے۔ جب یہ حق قائم ہو گا تو تبھی احمدیت پر ہم سچے دل سے قائم ہوں گے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ اشاعتِ اسلام کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا ہے اور احمدیت پر سچے دل سے قائم ہونا تبھی ثابت ہو گا جب ہم اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اپنے آپ کو انصاراللہ ثابت کریں گے۔ پس ایک تو یہ ذمہ داری ہے۔

پھر آپ نے، انصار نے اپنے عہد میں ایک عہد یہ بھی کیا یا دوسرے لفظوں میں اس ذمہ داری کو نبھانے کا، اٹھانے کا وعدہ اور اعلان کیا کہ خلافت احمدیہ سے وفا کا تعلق اور اس کی حفاظت کے لئے کوشش کریں گے۔ یہ کوشش کس طرح ہو گی؟ یہ کوشش تبھی ہو گی جب انصار خلافت کے کاموں اور پروگراموں کو آگے بڑھانے کے لئے اس کے مددگار بنیں گے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب انصار اپنے آپ کو خلیفۂ وقت کی باتوں کے سننے کی طرف متوجہ رکھیں گے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس زمانے میں ایم ٹی اے کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے کہیں دُور بیٹھے ہوئے سنا جا سکتا ہے۔ پس انصار اللہ کو اپنے آپ کو اس کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اپنی اولادوں کو بھی۔ یہ بھی عہد کیا کہ اولادوں کو بھی خلافت سے جوڑیں گے تو اولادوں کو بھی اس ذریعہ سے خلافت کے ساتھ جوڑ دیں علاوہ اور باقی تربیتی باتوں کے تا کہ نسلاً بعد نسلٍ یہ وفاؤں کے سلسلے چلتے رہیں اور قائم رہیں تا کہ خدمت اسلام اور اشاعت اسلام کا کام ہمیشہ جاری رہے۔ کیونکہ اشاعت اسلام کا کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کے ہی اعلان کے مطابق قدرت ثانیہ کے ذریعہ سے ہونا ہے جو نظام خلافت ہے۔ پس اس کے لئے ہر قربانی کے عہد پر نظر رکھیں۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 ستمبر 2016ء)

دو پیشگوئیاں

(عبدالسمیع خان)

6 مارچ 1897ء کولیکھرام کے عبرتناک انجام کے بعد آریوں نے بڑی شدت سے الزام لگایا کہ لیکھرام حضرت مسیح موعودؑ کی سازش کے نتیجہ میں قتل کیا گیا ہے اور اس قتل کا بدلہ لینے کے لئے خفیہ اور اعلانیہ کارروائیاں شروع کردیں۔

اس پر حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی اور حضرت اقدسؑ کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ 8/اپریل 1897ء کو پولیس کا جو وفد تلاشی لینے کے لئے آیا، ان میں ایک میاں محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ بھی شامل تھا۔ یہ گوجرانوالہ کا باشندہ تھا۔ دوران تلاشی اس کی ایک زیادتی پر حضورؑ نے فرمایا: آپ تو اس طرح مخالفت کرتے ہیں مگر آپ کی اولاد میرے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوجائے گی۔

میاں محمد بخش کا ذکر مقدمہ مارٹن کلارک کے سلسلہ میں بھی ملتا ہے۔ غالباً اسی کی تحریک پر حضورؑ کے خلاف مقدمہ حفظ امن قائم ہوا۔ جب اس نے یکم دسمبر 1898ء کو ڈپٹی گورداسپور جی ایم ڈوئی کو رپورٹ بھیجی کہ حضورؑ کے اشتہارات اور پیشگوئیوں سے نقص امن حفظ کا خطرہ ہے اس لئے فریقین کی ضمانت اور مچلکہ حفظ امن کا انتظام فرمایا جائے۔ چنانچہ اس کی رپورٹ اور مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواست پر مقدمہ درج ہوا۔ 11/جنوری 1899ء کو گورداسپور کی عدالت میں حضورؑ اور میاں محمد بخش کے بیانات ہوئے۔ مگر عدالت نے 24/فروری 1899ء کو مقدمہ خارج کردیا۔

حضرت امام الدین صاحبؓ پٹواری فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ کے موقعہ پر میں نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ محمد بخش تھانیدار کہتا ہے کہ آگے تو مرزا مقدمات سے بچ کر نکل جاتا رہا ہے۔ اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ''میاں امام الدین! اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔'' اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سخت درد شروع ہوگئی۔ اور وہ اس درد سے تڑپتا تھا۔ اور آخر اسی نامعلوم بیماری میں وہ دنیا سے گزر گیا۔

چنانچہ میاں محمد بخش کے متعلق پیشگوئی کے دراصل دو حصے تھے۔ اول اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور دوم اس کی اولاد حضرت مسیح موعودؑ کے غلاموں میں شامل ہوجائے گی۔ یہ دونوں پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہی پوری ہوگئیں۔

چنانچہ اس کے بیٹے حضرت شیخ نیاز محمد صاحبؓ کے مطابق 1901ء کے آخر میں ان کے والد کو ہاتھ میں کاربنکل کا پھوڑا نکلا جو مہلک ثابت ہوا۔ بیماری کے ایام میں انہوں نے کہا کہ تندرست ہونے کے بعد وہ حضرت اقدسؑ کی بیعت میں داخل ہوجائیں گے۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور وہ 3/مارچ 1902ء کو فوت ہوگئے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی میں میاں محمد بخش کے طاعون سے مرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

پیشگوئی کا دوسرا حصہ یوں پورا ہوا کہ اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ نیاز محمد صاحب بٹالہ سے اپنی زمین واقع تحصیل حافظ آباد میں چلے آئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حسن اتفاق سے حضرت مولوی حکیم محمد دین صاحبؓ 1907ء میں ہمارے ایک مکان میں بحیثیت کرایہ دار رہنے لگے اور اس بزرگ کی پاک صحبت کے اثر سے یہ عاجز ان کے ہمراہ قادیان آیا۔ اور چونکہ ان ایام میں مجھے دینی واقفیت اچھی طرح نہ تھی اس لئے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے دو تین روز کے بعد ذکر کیا کہ حضرت صاحب کو مسیح اور مہدی مان لینا کوئی آسان کام نہیں۔ پہلے مَیں اہلسنت والجماعت کی کتب پڑھوں گا اور پھر حضرت اقدسؑ کی کتب کا مطالعہ کرکے کوئی فیصلہ کروں گا۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ میں آپ کو ایک آسان گر بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں، اگر حضور سچے ہوئے تو آپ پر حقیقت کھل جائے گی۔

چنانچہ میں نے نمازوں میں دعائیں کرنی شروع کردیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے دوسرے یا تیسرے روز مجھ پر ایک مبشر خواب کے ذریعہ سے حقیقت کھل گئی اور معاً مجھے اپنے والد صاحب کی آخری نصیحت بھی یاد آگئی تو میں نے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں اپنی رؤیا اور والد صاحب کی آخری نصیحت کا ذکر کیا اور عرض کی کہ میں بیعت کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس وقت تقریباً 9-10 بجے صبح کا وقت تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت مجھے حضرت اقدسؑ کے دولت خانہ پر لے گئے اور اندر اطلاع کروائی۔ اس پر حضورؑ نے کمال شفقت سے بیت الدّعا کے ساتھ آنے والے دالان میں بلوا کر اس عاجز کی بیعت لی۔ میں نے بیعت کرنے سے پہلے حضورؑ کی خدمت میں آبدیدہ ہوکر عرض کی کہ لِلّٰہ میرے والد صاحب کو معاف فرمادیں۔ حضورؑ نے فرمایا اچھا ہم نے معاف کردیا۔ پھر میں نے عرض کی کہ لِلّٰہ ان کے لئے دردِ دل سے دعا فرماویں۔ فرمایا بہت اچھا۔ حضرت اقدسؑ چارپائی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں نیچے بیٹھ گیا مگر آپؑ نے میرا ہاتھ کھینچ کر اوپر بٹھالیا اور بیعت لینے کے بعد لمبی دعا فرمائی۔ اس کے بعد واپسی پر ہمیں راستہ میں خواجہ کمال الدین ملے تو حضرت مولوی صاحبؓ نے اُن کو کہا: اس لڑکے نے آج وہ کام کیا ہے کہ مجھے بھی اس پر رشک آرہا ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ کاش میری اولاد بھی میرے بعد میرے لئے اسی طرح نیک نامی کا باعث ہو۔ خواجہ صاحب کے پوچھنے پر فرمایا کہ اس نے اپنے والد صاحب کو حضور سے معاف کروایا ہے اور ان کے لئے دعا کروائی ہے۔

جب مَیں دوسری یا تیسری مرتبہ قادیان آیا تو حضرت سیدہ اماں جانؓ کے لئے ایک کپڑا لایا۔ حضورؑ نے کمال شفقت سے قبول فرمایا اور بہت خوشی خوشی اندر تشریف لے جاکر حضرت اماں جانؓ کو ہنستے ہوئے وہ کپڑا دے کر فرمایا کہ یہ کپڑا، محمد بخش تھانیدار جس نے لیکھرام کے قتل کے موقع پر تلاشی کے وقت تمہارے ٹرنک کھولے تھے، اس کے لڑکے نے دیا ہے۔

حضرت شیخ نیاز محمد صاحبؓ بھی انسپکٹر پولیس تھے۔ آپ پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہوکر 1941ء میں مستقل طور پر قادیان آگئے اور کچھ عرصہ تک افسر حفاظت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ 1947ء میں اپنے وطن گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہوگئے۔ وفات سے 2 ماہ قبل آپ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر ربوہ تشریف لائے اور 24 جولائی 1954ء کو وفات پائی۔ آپ کی ایک بیٹی مکرمہ فرخندہ اختر صاحبہ حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحبؓ کے عقد میں آئیں۔

ہمارا خدا۔ ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل

6

﴿حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف لطیف سے ماخوذ﴾

انصار کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے عقلی دلائل سے لیس کرنے کے لئے ایک نہایت عمدہ کتاب "ہمارا خدا" (جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تصنیف ہے) کے منتخب مضامین سے تلخیص کا سلسلہ گزشتہ چند شماروں سے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں اس کتاب کے صفحات 201 تا 230 کی تلخیص ہدیۂ قارئین ہے:

(انتخاب و تلخیص: فرخ سلطان محمود)

تین قسم کی دہریت

دُنیا میں دہریہ خیال کے لوگ تین قسم کے ہیں: اوّل وہ دہریہ جو صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کا موجود ہونا ثابت نہیں ہے۔ انہی لوگوں کی کثرت ہے۔ دوسرے وہ دہریہ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہستی باری تعالیٰ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو دلائل کے ساتھ ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے لوگ بھی عملاً خدا کو نہیں مانتے۔ تیسرے وہ دہریہ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا کا موجود نہ ہونا بعض دلائل وقرائن سے ثابت ہے۔ مگر یہ لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

گویا پہلی قسم کے دہریوں کے عقیدہ کا خلاصہ "عدم تسلیم بوجہ عدم ثبوت" ہے۔ دوسری قسم کے عقیدہ کا خلاصہ "عدم تسلیم وانکار بوجہ عدم امکانِ ثبوت وانکار" ہے اور تیسری قسم کے دہریوں کے عقیدہ کا خلاصہ "انکار بوجہ وجوہ انکار" ہے۔

یورپ وامریکہ کے دہریوں نے جو نام اپنے لئے پسند کیا ہے وہ اگناسٹک (Agnostic) ہے جس کے معنے نہ جاننے والے کے ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنی پوزیشن صرف یہ رکھی ہے کہ اُن کے پاس خدا کے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

پہلی دو اقسام کے دہریوں کے تمام اعتراضات کا جواب گزشتہ صفحات میں کئی پہلوؤں سے آچکا ہے۔ ذیل میں صرف تیسری قسم کے لوگوں کے خیالات کی تردید ہے جن کا دعویٰ ہے کہ بعض دلائل اور قرائن سے خدا کا نہ ہونا ثابت ہے۔

دہریت کی پہلی دلیل اور اُس کا ردّ

پہلی دلیل جو یہ دہریہ اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ اس کائنات کے متعلق امکاناً دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے کسی بالاہستی نے پیدا کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود بخود اپنے کسی اندرونی قانون کے ماتحت ہمیشہ سے یا کسی خاص زمانہ سے چلتی چلی آ رہی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت عقلِ انسانی تجویز نہیں کرتی اور گو یہ دونوں صورتیں عقلِ انسانی کے ادراک سے بالا ہیں۔ لیکن دوسری صورت کو تسلیم کرلینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کائنات کے اوپر کسی بالاہستی کو مان کر پھر اس کے متعلق یہی صورت تسلیم کی جائے کہ وہ خود بخود ہمیشہ سے ہے۔

قبل ازیں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم اور ذاتِ باری تعالیٰ اپنے حالات وصفات کے اختلاف کی وجہ سے ایک حکم میں نہیں آسکتے اور نہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ دونوں کو ہمیشہ سے خود بخود ماننا ایک ہی رنگ رکھتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جہاں خدا اپنے صفاتِ الوہیّت کی وجہ سے اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہو اور اس کے اوپر کوئی بالاہستی نہ ہو وہاں یہ دُنیا ومافیہا اپنے حالات سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ خود بخود ہمیشہ سے نہیں ہیں اور نہ اس بات میں کوئی امر مانع ہے کہ ان کے اوپر کوئی اور بالاہستی موجود ہو۔ پس یہ بالکل غلط ہے کہ دُنیا کو ہمیشہ سے ماننا نسبتاً زیادہ آسان اور زیادہ سادہ اور محفوظ ہے بلکہ دُنیا کو ہمیشہ سے ماننے میں اس قدر اشکال پیش آتے ہیں کہ جن کا کوئی حل نہیں ہوسکتا۔ ہاں البتہ دُنیا کو مخلوق مان کر اُس کے خالق کو ہمیشہ سے ماننا یقیناً زیادہ سادہ اور زیادہ محفوظ امر ہے۔

دہریت کی دوسری دلیل اور اُس کا ردّ

ہستی باری تعالیٰ کے انکار کی دوسری دلیل ان دہریوں کی طرف سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ قانونِ قدرت اس قدر کامل ومکمل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے قطعاً کسی بالاہستی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اور بلاضرورت کسی بالاہستی کو ماننا ایک وہم ہے۔ اس دلیل کے ردّ میں پہلے بتایا گیا تھا کہ کس طرح مکمل قانونِ قدرت کے باوجود ایک بالاہستی کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اور باوجود اس سلسلۂ اسباب وعلل کے اس دُنیا میں ایک خاص غرض وغایت اور ایک خاص منشاءِ حیات کا پایا جانا ایک صانع ومتصرّف ہستی پر دلالت کر رہا ہے۔ دراصل یہ نہیں سوچا گیا کہ گو اسباب وعلل اپنی ذات میں بھی ایک صانع اور نگران ہستی کو چاہتے ہیں لیکن اگر ایسا نہ بھی سمجھا جائے تو پھر بھی وہ ایسے اوزار کی حیثیت تو بہرحال ضرور رکھتے ہیں جن سے ایک کاریگر کوئی چیز تیار کرتا ہے اور کاریگر کا وجود اُسی نتیجہ سے ظاہر ہؤا کرتا ہے۔ پس حق یہ ہے کہ ان اسباب کا وجود اور ان کا نتیجہ جو اس کائنات کے ایک خاص غرض وغایت کے ماتحت چلنے سے ظاہر ہو رہا ہے ایک بالاہستی کی موجودگی کا بیّن ثبوت ہے۔

دہریت کی تیسری دلیل اور اُس کا ردّ

تیسری دلیل جو بعض دہریوں کی طرف سے خدا کی ہستی کے خلاف پیش کی جاتی ہے، وہ ارتقاء کی تھیوری ہے۔ یعنی دُنیا میں نظر آنے والی چیزوں کی صورت اور حالت ابتداء میں ادنیٰ درجہ کی تھی جو آہستہ آہستہ ارتقاء کرکے اپنی موجودہ شکل وصورت کو پہنچی ہیں۔ یعنی ہر چیز اپنے ماحول کے مناسب حال صورت اختیار کرتی گئی اور جو چیز ماحول کے مطابق تغیّر پذیر نہیں ہوسکی وہ آہستہ آہستہ ضائع ہوگئی۔ اس سے دہریہ استدلال کرتے ہیں کہ اس عالم میں کوئی Design or Plan نہیں ہے بلکہ موجودہ کائنات محض اتفاقی حالات کا نتیجہ ہے۔

اِس دلیل کا اصولی ردّ بھی پہلے ہوچکا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ماحول کے مناسب حال نہ ہونے کی وجہ سے بعض چیزوں کا ضائع ہوجانا اور بعض کا اپنے آپ کو ماحول کے مطابق ڈھال لینا اس حکمت کا نتیجہ ہے کہ خالقِ کائنات اپنے باغ کی ترقی کیلئے درختوں کی کانٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے اور جو پودے کسی نقص کی وجہ سے اپنی پیدائش کی غرض کو پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں انہیں کاٹ کر گرا تا جاتا ہے تاکہ دیگر پودے زیادہ آزادی کے ساتھ نشوونما پائیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ جب خدا کو یہ علم تھا کہ باغِ کائنات کا فلاں فلاں پودا

کمزور رہے گا اور اپنی پیدائش کی غرض کو پورا نہیں کر سکے گا تو اُس نے اُسے پیدا ہی کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے تو تمام چیزوں کو ایک خاص غرض وغایت کے ماتحت پیدا کیا ہے اور اس کا یہی منشا ہے کہ وہ اس غرض وغایت کو پُورا کریں۔ لیکن اگر کوئی چیز اپنے اندر کوئی نقص پیدا کر لیتی ہے اور زندگی کے میدان میں اپنی خلقت کی غرض کو پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے تو قانونِ قدرت کے ماتحت ہی وہ گر جاتی ہے۔ گویا کہ دونوں قانون خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے رُوحانی اور مادی ترقی کے لئے پیدا کیا ہے لیکن بعض انسان اپنے اعمال کی وجہ سے اس غرض کو پورا نہیں کرتے اور پھر وہ بوسیدہ شاخوں کی طرح کاٹ دیئے جاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں بعض صورتوں میں اُن کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک عرصہ تک قائم رہ کر دوسری چیزوں کی ترقی میں امداد دیں۔ جیسا کہ زراعت میں بھی بعض اوقات بعض پودے لگاتے ہوئے بعض دوسرے پودے لگائے جاتے ہیں جنہیں Fillers کہتے ہیں اور پھر جب اصل پودے اچھی طرح مستحکم ہو جاتے ہیں تو یہ زائد پودے ضائع کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ اب اِن کی پیدائش کی غرض پوری ہو چکی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں سائنس سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ بعض چیزوں کا مرنا ہی اپنی ذات میں دوسری چیزوں کی زندگی اور استحکام اور ترقی کا موجب ہوتا ہے اور اس لئے ان کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ خود مر کر دوسروں کی زندگی اور ترقی کا باعث بنیں۔ الغرض بعض چیزوں کا ایک وقت تک چل کر ضائع ہو جانا اور بعض کا قائم رہنا اور ترقی کر جانا یہی ثابت کرتا ہے کہ اس دُنیا کے اوپر ایک مُدرک بالارادہ حکیم و علیم ہستی موجود ہے جو حکیمانہ طور پر دُنیا کے کارخانہ کو چلا رہی ہے۔

دہریت کی چوتھی دلیل اور اس کا ردّ

چوتھی دلیل جو دہریوں کی طرف سے ہستی باری تعالیٰ کے خلاف پیش کی جاتی ہے وہ بھی مسئلہ ارتقاء پر مبنی ہے۔ یعنی کہا جاتا ہے خلقِ عالَم اور خلقِ آدم کے متعلق مذہبی تعلیم مسئلہ ارتقاء کی روشنی میں غلط ثابت ہوگئی ہے پس جب مذاہب کی تعلیم باطل ہوگئی تو مذاہب میں موجود خدا کا عقیدہ بھی خود بخود باطل اور غلط ثابت ہو گیا۔

اس دلیل کے متعلق بھی مفصّل بحث کی جا چکی ہے کہ مسئلہ ارتقاء جس صورت میں ڈارون نے پیش کیا ہے اس کی تفصیلات سے بہت سے سائنسدان اتفاق نہیں کرتے بلکہ یہ تھیوری اپنی موجودہ صورت میں بالکل ردّ ہی کی جا چکی ہے۔

دہریت کی پانچویں دلیل اور اُس کا ردّ

پانچویں دلیل دہریوں کی طرف سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ قانونِ نیچر بعض صورتوں اور بعض حالات میں اس طرح اندھا دھند طریق پر چلتا ہے کہ گویا یہ کسی صاحبِ شعور ہستی کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ کسی اندرونی تغیر یا سلسلۂ اسباب وعلل کے نتیجہ میں یہ سب کچھ چل رہا ہے۔ مثلاً بعض اوقات غیر معمولی حادثات کا پیش آنا اور اُس کے نتیجہ میں بے گناہ لوگوں کا نقصان اُٹھانا۔ وباؤں اور بیماریوں کا پھیلنا۔ مصائب و آلام کا پیش آنا۔ بعض بچوں کا معذور پیدا ہونا۔ یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ دُنیا کے اوپر کوئی خدا وغیرہ نہیں ہے ورنہ یہ اندھیر نگری اور مصائب ہرگز نہ ہوتے۔ اس اعتراض کا جواب ذیل میں دیا جاتا ہے۔

قانونِ نیچر اور قانونِ شریعت میں امتیاز کرنا ضروری ہے

دراصل معترضین نے ان دو قسم کے قوانین پر غور نہیں کیا جو خدا کی طرف سے اِس دُنیا میں جاری ہیں اور یہی سمجھ رکھا ہے کہ دُنیا کا سارا کاروبار ایک ہی قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔ ایک قانونِ نیچر ہے جو نظامِ عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور سلسلۂ اسباب وعلل اور خواص الاشیاء کے ماتحت جاری ہے اور جس کے اثرات و نتائج اسی دُنیا میں ساتھ ساتھ رُونما ہوتے جاتے ہیں۔ دوسرا قانونِ شریعت ہے جو انسان کے اخلاق ورُوحانیات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور انبیاء و مرسلین کے ذریعہ دُنیا میں نازل ہوتا رہا ہے اور جس کی جزا سزا کے لئے بعد الموت کا وقت مقرر ہے۔ مندرجہ بالا اعتراض ان دو قوانین کو ملا جُلا دینے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

قانونِ نیچر یہ ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اور عمل میں ایک معیّن فطری تاثیر رکھی گئی ہے جو اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً یہ بات قانونِ نیچر کا حصہّ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی زہر کسی جاندار چیز کے اندر اُس مقدار میں جائے گا جو اُسے مار دینے کیلئے کافی ہے تو اُس کا طبعی نتیجہ رونما ہوگا سوائے اس کے کہ قانونِ نیچر کا ہی کوئی دوسرا قانون جو اُس کا اثر کے مٹانے کیلئے مقرر ہے دخل انداز ہو کر اس کے اثر کو مٹا دے۔ اسی طرح یہ بات قانونِ نیچر کا حصہ ہے کہ اگر کسی چھت کی کمزوری کسی وقت اس حد کو پہنچ جائے کہ وہ قائم نہ رہ سکے تو وہ گر جائے گی۔ اور یہ بات بھی اسی قانونِ نیچر کا حصّہ ہے کہ گرنے والی چھت کے نیچے اگر کوئی شخص آئے گا تو وہ مر جائے گا سوائے اس کے کہ اس قانون کے اثر کو مٹا دینے والا کوئی اَور قانون درمیان میں دخل انداز ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص غرقاب پانی کے اندر جاتا ہے اور وہ تیرنا نہیں جانتا وہ ڈوب جائے گا سوائے اس کے کہ کوئی اور قانون اُسے بچا لے۔ یعنی اس عظیم الشان مشین (کائنات) کے پہیئے ہر وقت حرکت میں ہیں اور ان کے لئے اپنے اور بیگانے کا کوئی سوال نہیں ہے (اگرچہ مستثنیات کو الگ رکھ کر جن کے لئے ایک الگ مستقل اُصول ہے جو خدا کی تقدیرِ خاص سے تعلق رکھتے ہیں اور عموماً انبیاء و اولیاء کے ذریعہ دُعاؤں کی قبولیت اور معجزات وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں)۔

برخلاف اس کے قانونِ شریعت وہ ضابطۂ عمل ہے جو کوئی مذہب اپنے متبعین کے سامنے خدا کی طرف سے پیش کرتا ہے تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے اخلاق کو درست کریں اور خُدا کا قرب حاصل کر کے اُن فیوض و برکات سے حصہ پاویں جو خُدا کے پاک بندوں کے لئے مقدّر ہیں۔ مگر اس قانون کے ماتحت ہر شخص کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس قانون کی پابندی اختیار کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ اور اس کی جزا سزا کے لئے موت کے بعد کا وقت مقرر ہے (سوائے بعض خاص خاص نیم مخفی اثرات کے جو اسی دُنیا میں رونما ہو جاتے ہیں)۔ اسی لئے مذہبی لوگوں میں عام مقولہ ہے کہ دُنیا دارالعمل ہے اور اگلا جہان دارالجزاء ہے۔ مگر قانونِ نیچر کے لئے یہی دنیا دارالعمل ہے اور یہی دارالجزاء ہے۔ اور یہ دونوں قانون سوائے استثنائی حالات کے کبھی ایک دوسرے کے دائرہ عمل میں دخل انداز نہیں ہوتے۔

پس اگر کوئی شخص نیچر کے کسی قانون کی زَد میں آجائے تو ایسا نہیں ہوتا کہ پھر وہ اس کے اثر سے صرف اس وجہ سے محفوظ رہے کہ وہ قانون شریعت کے لحاظ سے مجرم نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی متقی آدمی غرقاب پانی میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ تیرنا نہیں جانتا تو اس کی نیکی اُسے ڈوبنے سے نہیں بچا سکے گی۔ پس ایک دہریہ کا اپنے

عقیدہ کی تائید میں یہ کہنا بالکل فضول ہے کہ فلاں نیک آدمی تھا اور اس کے چھوٹے بچے تھے وہ دریا پر نہاتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔ جبکہ اُسی وقت ایک آوارہ مزاج آدمی دریا پر نہا کر صحیح سلامت گھر واپس آ گیا۔ یا فلاں نیک سیرت بچہ چھت کے نیچے دب جانے سے مر گیا حالانکہ ایک شریر لڑکا چھت کے گرنے سے تھوڑی دیر پہلے کمرہ سے نکل گیا تھا اور وہ بچ گیا۔ وغیرہ۔

پس یہ کوئی اندھیر نگری نہیں بلکہ یہ تو نیچر کی سیاست کا ایک طبعی نتیجہ ہے جو سب کے لئے برابر ہے۔ اندھیر تو تب ہوتا کہ اگر کوئی نیچر کا قانون نہ ٹوٹتا اور پھر بھی نیچر سزا دیتی۔ یا یہ کہ قانون شریعت کا ٹوٹتا مگر سزا نیچر دیتی۔ یا یہ کہ قانون نیچر کا ٹوٹتا اور سزا شریعت دیتی۔ مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ سزا وہی دیتا ہے جس کا قانون توڑا جاتا ہے (سوائے مستثنیات کے)۔ دراصل بدقسمتی سے سارا دھوکا یہ لگا ہے کہ واقعہ تو قانونِ نیچر کے ماتحت پیش آتا ہے اور اس کی وجہ قانونِ شریعت میں تلاش کی جاتی ہے۔

یاد رکھو کہ نیچر اور شریعت دو الگ الگ حکومتیں ہیں جو مہذّب سلطنتوں کی طرح ایک دوسرے کے نظام میں دخل نہیں دیتیں سوائے اس کے کہ خدا کی مرکزی حکومت کسی اشد ضرورت کے وقت ایک ملک کی فوج کو دوسرے ملک کی امداد کے لئے جانے کا حکم دے۔ جیسا کہ انبیاء ومرسلین کی بعثت کے وقت جبکہ دنیا کی اِصلاح کے لئے آسمان پر ایک خاص جوش ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں قانونِ نیچر کی طاقتوں کو قانونِ شریعت کی خدمت میں لگا دیا جاتا ہے چنانچہ معجزات وخوارق اسی استثنائی قانون کی قدرت نمائی کا کرشمہ ہوتے ہیں۔ مگر عام قاعدہ یہی ہے کہ قانون نیچر اور قانونِ شریعت ایک دوسرے کے دائرہ میں دخل نہیں دیتے۔ الغرض یہ سارا دھوکہ ان دونوں قانونوں کے امتیاز کو ملحوظ نہ رکھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

تناسخ کا عقیدہ

تناسخ (Transmigration of Soul) یعنی اوا گون کا عقیدہ بھی اسی غلطی پر مبنی ہے۔ کیونکہ تناسخ کے ماننے والے بھی یہی دلیل دیتے ہیں کہ بچے دُنیا میں مختلف حالات کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں یعنی کوئی بچّہ تندرست پیدا ہوتا ہے تو کوئی کمزور۔ کوئی آنکھوں والا تو کوئی نابینا۔ کوئی امیر کے گھر تو کوئی غریب کے گھر۔ اُن کے بقول اس سے ثابت ہوُا کہ موجودہ زندگی سے پہلے کوئی اَور زندگی بھی گزر چکی ہے جس کے اعمال کی پاداش میں بچّوں کی حالت مختلف ہوگئی ہے۔

دراصل ان لوگوں نے بھی قانونِ شریعت اور قانونِ نیچر کے امتیاز کو بُھلا کر ایک ہی قانون سے سارے واقعات کو ناپنا چاہا ہے اور یہ نہیں سوچا کہ پیدائش کے وقت کا اختلاف قانونِ شریعت کے ماتحت نہیں ہے کہ اس کے لئے گزشتہ اعمال دیکھے جائیں بلکہ یہ قانونِ نیچر کے ماتحت ہے یعنی والدین بلکہ اجداد کی جسمانی اور اقتصادی اور اخلاقی حالت سے بچہ حصّہ پاتا ہے۔ علمِ طبّ نے (جو قانونِ نیچر کا حصّہ ہے) یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اگر والدین تندرست ہوں گے تو بچّہ بھی تندرست ہوگا اور اگر والدین کمزور ہوں گے تو بچّہ بھی کمزور ہوگا۔ حتیٰ کہ یہاں تک ثابت ہو چکا ہے کہ جس وقت مرد اور عورت مخصوص تعلق کی غرض سے اکٹھے ہوتے ہیں تو اُن کی اُس وقت کی حالت بھی پیدا ہونے والے بچّے پر ایک گہرا اثر پیدا کرتی ہے اور اسی لئے شریعت اسلامی نے کمال حکمت سے اس بات کا حکم دیا ہے کہ مرد اور عورت جب اکٹھے ہونے لگیں تو انہیں چاہئے کہ اپنے دل کے خیالات کو پاک و صاف بنا لیں تا کہ بچّہ اُن کی اس ذہنی نیکی سے حصّہ پائے۔ قرآن شریف نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر چیز اپنے دائیں بائیں اثر ڈالتی ہے (النحل:49)۔

الغرض دہریوں اور تناسخ ماننے والوں کا عقیدہ ایک ہی غلطی پر مبنی ہے۔

انسانی ترقی کیلئے قانونِ نیچر کا قانونِ شریعت سے جُدا رہنا ضروری ہے

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قانونِ نیچر کیوں قانونِ شریعت کا احترام نہیں کرتا یعنی ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب ایک شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ حادثاتِ قضاء وقدر سے بھی محفوظ ہو جائے تو اس کا پہلا جواب تو یہی ہے کہ ایسا اس لئے نہیں ہوتا کہ دونوں قوانین مختلف ہیں اور دونوں کا الگ الگ کام ہے۔

دوسرا اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دو قوانین انسان کی دو قسم کی ترقیوں کے لئے جاری فرمائے ہیں۔ یعنی قانونِ نیچر انسان کی مادی ترقی کے لئے اور قانونِ شریعت اس کی اخلاقی اور رُوحانی ترقی کے لئے ہے اور خدا کا منشاء یہ ہے کہ انسان ہر جہت سے ترقی کرے۔ چنانچہ اگر ایسا ہو کہ کوئی شخص محض قانونِ شریعت کی پابندی اختیار کرنے کی وجہ سے قانونِ نیچر کا جرم کرتے ہوئے بھی اُس کے بداثرات سے بچ جائے تو یقیناً نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی مادی ترقی کا دروازہ بالکل مسدود ہو جائے گا۔ مثلاً اگر انسان کو اس کا نیک ہونا پانی کی غرقابی یا آگ کی سوزش یا بجلی کی تباہی سے بچا لے تو انسان کو کیا ضرورت ہے کہ وہ اِن چیزوں کے خواص کا مطالعہ کر کے ان کی ماہیت کو سمجھنے اور ان کو قابو میں لانے کی کوشش کرے۔ اور یقیناً نتیجہ یہ ہو کہ انسان کی مادی ترقی بالکل رُک جائے۔

پس ان دونوں قوانین کا ایک دوسرے کے کام میں دخل انداز نہ ہونا خدا کی طرف سے ایک عین رحمت کا فعل ہے۔ اور حادثات وغیرہ بھی اسی رحمت کا پیش خیمہ ہیں کیونکہ اگر دُنیا میں کسی ایک فرد پر کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو اس کے نتیجہ میں جو بیداری اور اس قسم کے حادثات سے بچنے کا علاج دریافت کرنے کی طرف جو توجہ پیدا ہوتی ہے وہ آئندہ کے لئے کروڑوں انسانوں کو فائدہ پہنچا جاتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو نیک اور متقی لوگ حادثات کے نتیجہ میں یا کسی اور طرح قانونِ نیچر کی زَد میں آ کر بظاہر بے وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے لواحقین کو بھی اُن کی اِس رنگ کی موت سے غیر معمولی صدمہ یا نقصان پہنچتا ہے اُن کے لئے اسلامی تعلیم سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے بعض دوسرے ذرائع رحمت کے پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اگر خدا ایک طرف دُنیا کی بہبودی اور ترقی کے خیال سے اپنے قانون کا احترام کرواتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے نیک بندوں کے لئے ازحد مہربان بھی ہے اور اپنے تعلق میں سب وفاداروں سے بڑھ کر وفادار ہے اس لیے وہ ضرور ایسے موقع پر کسی اور ذریعہ سے ان کے نقصان کی تلافی کر دیتا ہے۔ مثلاً دنیوی مصیبت کی وجہ سے آخرت میں ان کو خاص انعام واکرام کا وارث بنا دیتا ہے یا ان کے پسماندگان کو دنیا کی برکات سے حصّہ وافر دے دیتا ہے یا اور کوئی ایسا طریق اختیار کرتا ہے جسے وہ اپنے رحم اور انصاف کے مطابق مناسب سمجھے اور جس سے کسی دوسرے کا حق بھی ضائع نہ ہو۔

اسی طرح جو بچّے قانونِ نیچر کی وجہ سے کمزور پیدا ہوتے ہیں تو اس کے متعلق بھی اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ شرعی جزا سزا کے وقت خدا تعالیٰ ان کی اس معذوری کو ضرور ملحوظ رکھے گا اور ان نقائص کی وجہ سے جن کا ازالہ ان کی طاقت سے باہر تھا ان پر مؤاخذہ نہیں کرے گا اور نہ ان کے اعمال کی جزا کو ان کی کسی خلقی کمزوری کی وجہ سے کم ہونے دے گا۔

دُنیا میں گناہ کا وجود کیوں پایا جاتا ہے؟

اس جگہ ایک اور شُبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی خُدا ہوتا تو لوگ ہرگز اس طرح گناہ اور ظُلم وستم میں مبتلا نہ ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معترضین نے قانونِ شریعت کی حقیقت اور غرض وغایت اور حکمت کو نہیں سمجھا۔ قانونِ شریعت اس اصل پر مبنی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ایک ضابطۂ عمل پیش کر کے ان کو سمجھا دیتا ہے کہ تمہاری اخلاقی اور رُوحانی ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن اس سمجھا دینے کے بعد وہ لوگوں کو اختیار دے دیتا ہے کہ اب تم چاہو تو اس ضابطۂ عمل کو اختیار کرو اور چاہو تو اُسے ردّ کر دو اور پھر جو اسے اختیار کرتا ہے اور جس حد تک اختیار کرتا ہے وہ اس حد تک اُس کے برکات اور نیک اثرات سے مُستفیض ہوتا ہے اور اپنے خدا کا قُرب حاصل کرتا ہے۔ اور جو اسے اختیار نہیں کرتا وہ ان باتوں سے محروم رہتا ہے۔ اور اس کی یہ محرومی ہی گناہ اور جرم کہلاتی ہے۔ پس گناہ کا وجود خُدا کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ وہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

خُدا نے تو انسان کی فطرت میں نیکی کا تخم ودیعت کیا اور پھر اس تخم کی آبپاشی اور پرورش اور ترقی کیلئے شریعت نازل فرمائی اور نشانات وآیات کے ذریعہ لوگوں پر حجت پوری کی کہ قانونِ شریعت کی پابندی میں ہی ان کی نجات اور فلاح ہے۔ باوجود اس کے اگر پھر بھی کوئی شخص شریعت پر عمل پیرا نہ ہوتو یہ اس کا اپنا قصور ہوا نہ کہ خُدا کا۔ اور اس کی محرومی خود اس کے اپنے فعل کا نتیجہ ہوئی نہ کہ خدا کے فعل کا۔

گناہ کیا ہے؟ یہی کہ انسان خدا کے حُکم کی نافرمانی کرے۔ پس گناہ انسان کے اپنے فعل کا نتیجہ ہے نہ کہ خدا کا۔ کیا خدا اس وجہ سے ہمیں ہدایت کا رستہ بتانے سے باز رہتا کہ بعض لوگ اس ہدایت کو نہیں مانیں گے؟ کیا ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے سے صرف اس وجہ سے باز رہ سکتا ہے کہ شائد وہ میری نافرمانی کر کے مجرم بن جائے؟ یہ نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا نے شریعت کا قانون ایسا کیوں نہیں بنایا کہ سب لوگ اس کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتے اور اس طرح گناہ کا وجود دُنیا میں پیدا ہی نہ ہوسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو انسان کے پیدا کرنے کی غرض ہی باطل چلی جاتی۔ جو یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے اپنے لئے اعلیٰ ترقیات کے دروازے کھولے اور اپنے اعمال سے اس کا قرب حاصل کرے۔ انعام کا حقدار بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان صاحبِ اختیار ہو۔ لیکن اگر انسان مجبور ہوتو پھر اچھے بُرے میں کوئی امتیاز نہ رہتا۔ اسی طرح جو ترقی باہمی مسابقت کے خیال کی وجہ سے حاصل ہورہی ہے وہ بھی سب رُک جاتی اور انسان گویا ایک فرشتہ کی طرح ہوجاتا جس کی نیکی دراصل کوئی نیکی کہلانے کی حقدار نہیں کیونکہ وہ اپنی خلقت سے مجبور ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے بھی انسان کے متعلق فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین:5) یعنی ''ہم نے انسان کو جملہ مخلوقات میں سے بہترین فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

الغرض انسان کا اپنے اعمال میں صاحبِ اختیار ہونا اس کے کمال کی علامت ہے اور گناہ کا وجود اس اختیار کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ پس گناہ خدا کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت کے انکار کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا اس کا وجود خدا کی ہستی کے خلاف ہرگز بطور دلیل کے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دہریت کی چھٹی دلیل اور اُس کا ردّ

چھٹی دلیل جو دہریوں کی طرف سے ہستی باری تعالیٰ کے خلاف پیش کی جاتی ہے وہ بھی فرضی اندھیر پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں مہلک چیزیں پیدا نہ کرتا۔ یہ اعتراض بھی جہالت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ذرّہ بھر شک نہیں رہتا کہ دُنیا کی کوئی چیز بھی بغیر کسی فائدہ اور غرض وغایت کے نہیں ہے اور یہ صرف انسان کے اپنے علم کی کمی ہے کہ وہ بعض چیزوں کی غرض وغایت کو نہیں سمجھتا اور ان کے فائدہ سے محروم رہتا ہے۔ جو لوگ حقائق الاشیاء کی تحقیق میں بڑھے ہوئے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہر چیز اپنے اندر کوئی نہ کوئی فائدہ رکھتی ہے۔ اور اسی لئے اگر اُن کو کسی چیز میں ایک وقت تک کوئی فائدہ نظر نہیں بھی آتا تو وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اس کا وجود محض فضول اور باطل ہے۔ بلکہ وہ اس یقین پر قائم رہتے ہیں کہ زیادہ گہرے مطالعہ سے آئندہ کسی وقت اس کے اندر بھی کوئی حکمت اور کوئی فائدہ معلوم ہوجائے گا۔ مزید یہ کہ جدید علوم کی روشنی میں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ بعض اشیاء کی ضرررسانی بالواسطہ طور پر نسلِ انسانی کے لئے مفید ہے۔ حتیٰ کہ سانپ اور بچھو اور مہلک بیماریوں کے جراثیم اور مختلف اقسام کے خطرناک زہر وغیرہ بھی اس خدمتِ انسانی سے باہر نہیں اور کوئی دن ایسا نہیں چڑھتا جس میں قرآن شریف کے اس قول کی صداقت ثابت نہ ہوتی ہو کہ خدا نے زمین و آسمان کی کسی چیز کو باطل نہیں پیدا کیا (صٓ:28)۔

یہ اعتراض کہ چیزوں کے ضرررساں پہلو کیوں رکھے گئے ہیں؟

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ خالقِ فطرت نے جس طرح مناسب سمجھا اس طرح کیا اور ہمارا یہ کام نہیں کہ نیچر کے افعال کی تفاصیل کو زیرتنقید لائیں اور نہ ہم اس کے اہل ہیں بلکہ ہمارا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے وہ اُصولی اور مجموعی طور پر حق وانصاف اور رحم وعدل پر مبنی ہے یا نہیں؟ لہٰذا جب یہ ثابت ہے کہ دُنیا کی کوئی چیز محض ضرررساں نہیں ہے بلکہ اس کے اندر یقینی فوائد مخفی ہیں اور جو چیزیں بے فائدہ اور محض ضرررساں نظر آتی ہیں وہ بھی درحقیقت ہمارے علم کی کمی کی وجہ سے ہمیں ایسی نظر آتی ہیں۔

اصل جواب مذکورہ اعتراض کا یہ ہے کہ بعض اشیاء کی ضرررسانی بعض مفید نتائج پیدا کرنے میں مد ہوتی ہے اور اس سے بنی نوع انسان کی اخلاقی اصلاح اور مادی ترقی میں بھی بالواسطہ طور پر بڑی مدد ملتی ہے۔ ہر عقلمند میرے ساتھ اس بات میں اتفاق کرے گا کہ کبھی کبھی تکالیف اور دُکھوں کا پیش آنا انسان کے اخلاقِ حسنہ کی عمارت کی تکمیل کے لئے ازبس ضروری ہے

اور اگر کسی کو یہ شُبہ گزرے کہ اگر یہ ضرررساں جانور وغیرہ واقعی مفید ہیں تو ان کو ہلاک کیوں کیا جاتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں خود مذہب انسان کو یہ حکم دیتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو ہلاک کرتے رہنا چاہئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قانونِ نیچر کا ایک عام قاعدہ توازن کا قیام ہے۔ پس ضرررساں چیزوں کا دُنیا میں حدّ اعتدال سے بڑھ جانا بمقابلہ اُن کے فائدہ کے نقصان کا زیادہ موجب ہوسکتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے کمال حکمت سے ایک طرف تو ان چیزوں کو دنیا میں پیدا کر دیا اور دوسری طرف انسان کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی اور بعض صورتوں میں صراحتاً حکم بھی دے دیا کہ اِن چیزوں کو دُنیا میں زیادہ نہ پھیلنے دو۔ اور اس طرح نیچر کا فطری توازن قائم کرلیا گیا۔

(باقی آئندہ)

وَاذْکُرْ عَبْدَنَا أَیُّوب ۔ حضرت ایّوب کا قصّہ قرآنِ مجید میں

(از مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب)

حضرت ایّوب علیہ السلام کا قصّہ قرآنِ مجید میں صرف دو جگہ اور وہ بھی بہت اختصار سے آیا ہے۔ایک تو سورۃ انبیاء میں دوسرے سورۃ صٓ میں۔

۱۔ سورۃ صٓ کی آیات

وَاذْکُرْ عَبْدَنَا أَیُّوبَ إِذْ نَادَی رَبَّهُ أَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ۔ ارْکُضْ بِرِجْلِکَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ۔ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِکْرَی لِأُوْلِیْ الْأَلْبَابِ۔ وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثاً فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِراً نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ (ص: 42-45)

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کر جب اس نے اپنے ربّ کو یہ کہتے ہوئے پکارا کہ مجھے ایک کافر دشمن نے بڑی سخت تکلیف اور عذاب پہنچایا ہے۔(ہم نے اسے کہا کہ)اپنی سواری کو ایڑی مار کر یہ(سامنے)اک نہانے والا پانی ہے جو ٹھنڈا بھی ہے اور پینے کے قابل بھی(یعنی صاف ہے)اور ہم نے اس کو اس کے اہل بھی دیئے اور ان جیسے اور بھی اپنے رحم سے دیئے اور عقل والوں کے لئے ایک نصیحت کا سامان بھی بخشا۔اور(ایوب سے کہا کہ)اپنے ہاتھ میں ایک کھجور کی گچھّے دار ٹہنی پکڑ لے اور اس کی مدد سے تیزی کے ساتھ سفر کر(یعنی اس سے مار مار کر سواری کے جانور کو دوڑا)اور حق سے باطل کی طرف مائل نہ ہو۔ہم نے اس(یعنی ایوب)کو صابر پایا تھا وہ بہت اچھا بندہ تھا۔وہ یقیناً خدا کی طرف کثرت سے جھکنے والا تھا۔

۲۔ سورۃ انبیاء کی آیات

وَأَیُّوبَ إِذْ نَادَی رَبَّهُ أَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَکَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَیْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِکْرَی لِلْعَابِدِیْنَ۔ (الانبیاء: 85-84)

ترجمہ: اور(تو)ایوب کو(بھی یاد کر)جب اس نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ میری حالت یہ ہے کہ مجھے تکلیف نے آ پکڑا ہے۔اور اے خدا! تُو تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔پس ہم نے اس کی دعا سنی اور جو تکلیف اس کو پہنچی ہوئی تھی اس کو دور کر دیا۔اور اس کو اس کے اہل(و عیال)بھی دیئے۔اور ان کے سوا اپنی طرف سے رحم کرتے ہوئے اور بھی دیئے اور ہم نے اس واقعہ کو عبادت گزاروں کے لئے ایک نصیحت کا موجب بنایا ہے۔

بس کُل یہ ذکر آنجنابؑ کے قصّہ کا قرآنِ مجید میں آیا ہے۔اس میں سے سورۃ انبیاء کی آیات تو بالکل سادہ اور بغیر کسی جھگڑے والی بات کے ہیں لیکن سورۃ صٓ کی ان آیات کے متعلق اس قدر مشکلات مفسّرین نے ڈال دی ہیں کہ خدا کی پناہ۔یہاں تک کہ معاملہ انبیاء کی توہین اور اللہ تعالیٰ کی پاک صفات پر حملہ کی نوبت تک پہنچ گیا ہے۔اس قصّہ کو ایسا پیچیدہ کر دیا ہے کہ انسانی عقل کو ان آیات کے الفاظ سے دھکا دیتے ہیں جو نہایت سادہ اور قابلِ قبول واقعات پر مشتمل ہے۔رنگ آمیزی کی گئی ہے کہ مفرحات کی حد تک پہنچ گئی ہے۔نعوذ باللہ اور کس وجہ سے؟ صرف عجوبہ پسندی کی وجہ سے جو کہ تمام مفسرین نے اسرائیلی انبیاء کے لئے ضروری سمجھی ہے۔اگر ان آیات میں نشان شدہ آیات کے معنی لغت اور علم اور عقل کے مطابق کئے جاتے تو یہ نوبت نہ پہنچتی۔

صحیح معنے سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر مشہور معنی پرانے مفسرین کے بیان کئے جاویں۔اور اس کے بعد ان آیات کی حقیقت کو واضح کیا جاوے۔تاکہ سادہ اور صاف معنی لوگوں کی سمجھ میں آ جائیں۔سو وہ مشہور قصّہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت ایّوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر تھے۔ان پر ایک دفعہ ایک بیماری آئی اور ایسی سخت آئی کہ تمام جسم پر زخم ہو کر کیڑے پڑ گئے۔حتیٰ کہ شہر والوں نے ان کو شہر سے باہر نکال دیا۔اٹھارہ سال وہ جذام میں مبتلا رہے۔ان کی انگلیاں وغیرہ سب جھڑ گئیں۔اور سب دوستوں، رشتہ داروں اور رفیقوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔صرف ایک بیوی رہ گئی۔جو شہر سے ان کے لئے کھانا لاتی تھی۔ایک دن اس عفیفہ کو جو ایک دو گھنٹہ کھانا لانے میں دیر ہو گئی تو حضرت ایوبؑ کو اس کی عفت پر شبہ ہو گیا اور ناراض ہو کر کہنے لگے کہ میں اچھا ہو گیا تو خدا کی قسم تجھے سو لکڑیاں ماروں گا۔(جو نعوذ باللہ زانی اور زانیہ کی سزا ہے)خیر اٹھارہ سال بعد خدا نے فرمایا کہ فلاں جگہ لات مار۔انہوں نے ماری۔ایک چشمہ وہاں سے پھوٹ نکلا۔آپ نے اس کا پانی پیا اور نہائے تو فوراً اچھے ہو گئے۔اچھے ہو کر قسم کے متعلق خدا سے پوچھا۔خدا نے کہا کہ یہ عورت بے گناہ تو ہے مگر چونکہ تو نے قسم کھائی تھی اس لئے سو تیلیاں جمع کر کے جھاڑو کی طرح بنا کر اس بیگناہ کی کمر پر مار تاکہ تیری قسم پوری ہو جائے۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی مری ہوئی اولاد کو پھر زندہ کیا۔اور مزید اولاد بھی دی(یہ قصّہ میں نے ایک قرآن کے حاشیہ سے لیا ہے)۔

یہ ہے گت جو ہمارے اہلِ قلم مفسرین نے انبیاء علیہ السلام اور ان کی پاک منش بیبیوں کی بنائی ہے۔اور جس پر ان کو فخر بھی ہے۔اور یہ ہے ان کے نزدیک ایک نبی جو تھوڑی سی دیر ہو جانے پر اپنی بیوی پر فوراً بدکاری کی تہمت رکھتا ہے اور بے دیکھے محض ظن پر قسم کھاتا ہے کہ ضرور تجھے سو لکڑیاں ماروں گا(یعنی زانیہ کو سزا دوں گا)ذرا مجھے اچھا ہو لینے دے۔اور یہ ہے خدا ان کا جو بجائے اس پاکدامن کو عفت مآب کہنے کے اور اپنے پیغمبر کو بدظنی سے روکنے کے خود ایک بیگناہ کو سو لکڑیاں مارنے کی ہدایت کرتا ہے۔اور سزا کو کم کرنے کے لئے یہ عجیب حیلہ سکھاتا ہے کہ ان سب لکڑیوں کو ایک جھاڑو کی شکل میں باندھ لے، تاکہ ایک بیگناہ قربانی مجسم بیوی کو تھوڑی چوٹ لگے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

اس مختصر بیان کے بعد سب سے پہلے تو میں چند باتوں کی تردید کروں گا:

(1) اوّل تو یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو کبھی ایسی خبیث بیماری نہیں ہوتی جن کی

وجہ سے لوگ ان سے نفرت کریں۔ کیونکہ پھر وہ فرضِ رسالت ادا نہیں کر سکتے۔ نعوذ باللہ جذام ہونا یا کیڑے پڑنا ان کے لئے ایک ایسی بیماری ہے جس کے لئے یقیناً لوگ ان سے بھاگنے لگیں گے۔ پس یہ امر محال ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا۔ اور میں نے اپنے کان سے سنا کہ خدا تعالیٰ چوڑھے کو نبی نہیں بناتا۔ کیونکہ لوگوں پر اس کی بات کا اثر نہیں ہوگا۔ وہ اسے کہیں گے کل تو ہمارا پاخانہ اٹھاتا تھا۔

(2) دوسرے یہ کہ وہ اٹھارہ سال یا سالہا سال کے ایک نہایت لمبے عرصے تک ایسے بیمار نہیں ہوسکتے کہ فرائضِ رسالت نہ ادا کر سکیں۔ اگر ایوب علیہ السلام 18 سال کُوڑی پر شہر سے باہر پڑے رہے تو انہوں نے تبلیغ اور تعلیم کیا دی ہوگی اور خدا کی کون سی باتیں لوگوں تک پہنچائی ہوں گی۔ پس نہ ان کو جذام ہوُا نہ کیڑے پڑے، نہ بہت لمبی مدت تک بیکار پڑے رہے۔ یہ سب لغویات ہیں جن کو عقلِ سلیم اور تعلیمِ اسلامی دھکے دیتی ہے۔ اصل صرف اتنی ہے کہ وہ کچھ مدت کے لئے بیمار ضرور ہوئے تھے۔ اور اس بیماری کی ان کو سات روز، جیسا کہ توریت میں مذکور ہے، نہایت سخت تکلیف بھی رہی تھی۔ (ایوب باب 2۔13) مگر نہ ان کے ہاتھوں پیروں اور زبان نے جواب دے دیا تھا اور نہ ان کو کوئی قابلِ نفرت یا بدبودار بیماری تھی۔ جیسا کہ ان آیات سے ہی ثابت ہوجائے گا۔

(3) تیسرے یہ کہ حضرت ایوبؑ کے ذمہ قرآن مجید کوئی ایسی بات نہیں لگاتا کہ ان کو ان کی بیوی کی طرف سے کوئی بدظنی ہوئی ہو۔

(4) نہ یہ بیان کرتا ہے کہ انہوں نے سو لکڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی۔ یہ صرف یاروں کی قصّہ خوانی ہے یا یہودیوں کی لغویات جن کو سن کر مفسرینِ اسلامی مسحور ہو گئے اور عجوبہ سمجھ کر فوراً رونقِ تفسیر کے لئے ان کو داخلِ کتب کر لیا۔ قرآنِ مجید نے تو یہ اصول مقرر فرمایا ہے۔ الطیبات للطیبین۔ و الطیبون للطیبات۔ پس تمام پیغمبروں حتیٰ کہ لوطؑ اور نوحؑ کی کافر اور مخالف بیبیاں بھی خواہ وہ سلسلۂ حقہ کی کتنی ہی مخالف ہوں مگر بدچلن اور بدکار نہیں ہوسکتیں چہ جائیکہ ایوبؑ کی۔

حضرت ایوّبؑ کی بیماری

یہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت ایوّب ایک دفعہ بیمار ضرور ہوئے تھے اور بیماری بھی بہت تکلیف دہ تھی۔ غالباً پھوڑے پھنسیاں یا اغلباً سخت قسم کی خارش ہوگی جو بہت ایذا دیتی ہے اور کچھ مدت تک برابر چلتی ہے اور درمیان میں بعض نہایت سخت تکلیف کے دن بھی آتے ہیں۔ جس میں بے قراری، بے خوابی، درد وغیرہ سب عوارض موجود ہوجاتے ہیں۔ اور مشہور بھی یہی ہے کہ ان کو کوئی جِلدی بیماری تھی اور تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بھی بطورِ علاج ان کو ایک چشمہ میں نہانے اور اس کا پانی پینے کا حکم دیا تھا۔ اس سے واضح ہے کہ جِلدی بیماری ہی تھی اور تورات میں بھی لکھا ہے کہ اسے جلتے ہوئے پھوڑے ہوئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنے تیئں کھجلانے لگا۔ اور راکھ پر بیٹھ گیا۔ (ایوب باب 2 آیت 8) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ایک دفعہ خارش کا مرض ہوگیا تھا۔ یہ 1892ء کے قریب قریب کا واقعہ ہے اور کچھ مدت برابر حضور کو اس کی تکلیف رہی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب کی یہ بیماری زیادہ تکلیف دہ تھی۔ جیسا کہ ان کی دعا سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ۔ (الانبیاء:84)

ترجمہ: کہ میری حالت یہ ہے کہ مجھے تکلیف نے آ پکڑا ہے اور اے خدا! تُو تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

پس نصب، ضُر اور عذاب کے الفاظ سے جسمانی بیماری ہی کی تکلیف معلوم ہوتی ہے۔

بیماری کے لئے ایوب کی دعا

جب بیماری نے بہت تکلیف دی تو حضرت ایوبؑ نے دعا کی کہ اِذْ نَادٰی رَبَّهُ أَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن۔ (صٓ:42)

یعنی اے میرے رب مجھے شیطان نے دکھ اور عذاب میں ڈال دیا ہے مطلب یہ ہے کہ اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہوتا جاتا ہے۔ تُو ہی اس مصیبت کو دور کر۔ (اس آیت پر آگے چل کر بھی بحث ہوگی)۔

بیماری کا علاج

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کا علاج بتاتے ہیں۔

1۔ اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ 2۔ ھٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ 3۔ وَشَرَابٌ

ترجمہ: (ہم نے اسے کہا کہ) اپنی سواری کو ایڑی مار۔ یہ (سامنے) ایک نہانے والا پانی ہے جو ٹھنڈا بھی ہے اور پینے کے قابل بھی (یعنی صاف ہے) اور آگے ایک جملہ معترضہ جو قرآنِ مجید کی عام عادت ہے لا کر چوتھا جُز اس نسخہ کا بتایا۔ 4۔ وَخُذْ بِیَدِکَ ضِغْثاً فَاضْرِب بِّهِ۔ (صٓ: 45)

ترجمہ: اور (ایوب سے کہا کہ) اپنے ہاتھ میں ایک کھجور کی گچھے دار ٹہنی پکڑ لے اور اس کی مدد سے تیزی کے ساتھ سفر کر (یعنی اس سے مار مار کر سواری کے جانور کو دوڑا) یہ چار جسمانی علاج اس مرض کے خدا نے ان کو بتائے۔

اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ پہلا علاج

رَکَضَ کے مشہور لغوی معنے دوڑنا اور تیز چلنا بھی ہیں۔ اور سب لُغات میں لکھے ہیں۔ قرآنِ مجید نے بھی دوسری جگہ یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

لَاتَرْکُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيْه۔ (انبیاء:14)

ترجمہ: (تب ہم نے کہا) دوڑو نہیں، اور ان چیزوں کی طرف جن کے ذریعہ سے تم آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔

پس حکم یہ ہوُا کہ اس بیماری کے لئے تم تیز قدم یا دوڑ کر چلا کرو۔ اگر صرف اَرْکُضْ ہوتا تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ سواری پر سیر کیا کرو۔ گھوڑا دوڑایا کرو۔ بیل گاڑی پر ہواخوری کیا کرو۔ مگر بِرِجْلِکَ کہہ کر واضح کر دیا کہ ان میں سے کوئی بات بھی کہنے والے کی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنے پیروں سے یعنی پیدل سیر کیا کرو۔ پیدل تیز رفتاری سے چلا کرو۔ کیونکہ نہ صرف اس مرض کے لئے تازہ ہوا اور غذا ضروری ہے۔ بلکہ پیدل چلنا بھی ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف علاج کی نوعیت معلوم ہوگئی بلکہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسے بیمار تھے کہ شدتِ مرض کے چند دنوں کے بعد وہ چل پھر سکتے تھے۔ اور ان کی انگلیاں اور پیر اور ٹانگیں گل سڑ نہیں گئی تھیں۔ بلکہ وہ تیز قدم روزانہ سیر کرنے کے قابل تھے۔ کیونکہ ایسی سیر بہت فرحت اور شگفتگی پیدا کرتی ہے۔ اور پسینہ آ کر ردّی مواد جسم سے خارج ہوجاتے ہیں۔

دوسرے معنے اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حکمِ خداوندی

ہے کہ فلاں جگہ جا کر ٹھوکر مارو۔ یا ایڑی مارو۔ تو وہاں سے ایک چشمہ پھوٹے گا۔ تم وہی پانی پینا اور اسی سے غسل کرنا۔ ہمیں ان معنوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی عصا مار کر پہاڑ سے ایک چشمہ نکالا تھا۔ اور سرسبز پہاڑی ملکوں میں یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ البتہ ایسی جگہ کا تعین کر دینا خدا کے فضل اور وحی الٰہی کے غیب سے ہوا تھا۔ اب آپ کی مرضی ہے۔ خواہ پہلے معنے پیدل سیر و ورزش کے لیں۔ خواہ ٹھوکر مار کر چشمہ نکالنے کے لیں ہمیں کوئی انکار نہیں۔ دوسری صورت میں وہ چشمہ اسی طرح ان کی ٹھوکر سے پھوٹ کر نکلا جس طرح موسیٰؑ یا اسمٰعیلؑ نے نکالا تھا اور پہلی صورت میں خدا تعالیٰ نے ان کو ایک چشمہ کا پتہ دیا کہ فلاں جگہ واقع ہے اس کا پانی پیو اور اسی کے پانی سے نہاؤ اور روز وہاں پیدل ڈبل مارچ کرتے جایا کرو۔ اور آیا کرو۔ یہ تمہارا علاج ہے۔

ھٰذا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (علاج نمبر2،3)

یہ چشمہ تمہاری بیماری کے لئے شفا ہے اس میں نہاؤ اور اس کو پیو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چشمہ گندھک وغیرہ اجزاء سے مرکب تھا۔ جو جلدی بیماریوں اور خارش وغیرہ کے لئے اکسیر ہے۔ اب بھی دنیا کے تمام ملکوں میں جلدی امراض کے لوگ ایسے چشموں پر جاتے اور وہیں نہاتے اور انہی کا پانی پی کر شفا پاتے ہیں۔ پس ایک علاج سیر پیدل دوسرا علاج غسل اس چشمہ کے پانی سے اور تیسرا علاج اس پانی کو پینا تھا۔ آگے چل کر چوتھا علاج فرمایا یعنی وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا۔

وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّہٖ (علاج نمبر4)

یعنی اپنے ہاتھ میں ایک ضِغْث لے ضِغْث کے معنی لغت میں ہیں سبز اور خشک گھانس یا سبز اور خشک ٹہنیوں یا شاخوں کا گٹھا۔ مثلاً چند سبز شاخیں لے کر خشک گھاس یا ٹہنی سے اس کو اس طرح باندھ لیا جائے کہ وہ جھاڑو یا چوری کی طرح ایک مکھیاں اڑانے والی چیز بن جائے۔ پس جب زخموں یا پھوڑے پھنسیوں کا علاج ورزش سے اور غسل سے بطور دوا سے ہی ہوا۔ پانی پینے سے ہوا تو ضروری ہے کہ جسم کے زخموں کی مکھیوں، مچھروں کیڑوں اور ان آفتوں سے بھی پوری حفاظت کی جائے تا کہ مکھی کے بیٹھنے کی وجہ سے اس میں کیڑے وغیرہ نہ پڑ جائیں اور یہ چوری یا ہری شاخیں ڈریسنگ کا کام کریں۔

خُذْ بِیَدِکَ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کے ہاتھ ایسے خراب نہیں ہو گئے تھے کہ کیڑے پڑ گئے ہوں یا انگلیاں جھڑ گئی ہوں۔ بلکہ ایسے تھے کہ وہ ان سے دن کو جسم پر چوری جھلنے کا کام لے سکتے تھے۔ فَاضْرِبْ بِّہٖ یعنی اس چوری کو اپنے ہاتھ سے ہلایا کرتا کہ زخم یا پھوڑے حشرات الارض سے محفوظ رہیں۔ ضَرَبَ کے معنے حرکت کرنا لغوی طور پر بھی ہیں۔ اور ضَرَبَ کا لفظ تو عربی میں ہر فعل کی جگہ آ سکتا ہے اور اردو میں ہم یوں ترجمہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ہاتھ میں ایک مُٹھا شاخوں کا لیکر ہلایا کر یا اس سے مکھیاں وغیرہ ہٹایا کر۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ ہرگز یہاں یا کسی اور جگہ مارنے کا اشارہ یا کنایہ بیوی کی طرف نہیں۔ بلکہ ایوبؑ کے سارے قصہ میں کہیں ان کی اہلیہ کا مذمت کے ساتھ ذکر نہیں۔ نہ یہ ذکر ہے کہ 100 عدد شاخیں لے۔ نہ کہیں ان کے اس قسم کھانے کا ذکر ہے کہ میں اپنی بیوی کو کسی قصور کی وجہ سے اچھا ہو کر سزا دوں گا۔ بلکہ ایوبؑ کے قصّہ میں صرف ان کی بیماری کے علاج کا ذکر ہے۔ اور ایسا علاج ہمارے ملک میں بھی رائج ہے۔

پس جسمانی علاج تو یہاں ختم ہوا۔ یعنی

(1) سیر کرو مگر پیدل۔
(2) فلاں چشمے کے پانی سے نہایا کرو۔
(3) اسی چشمہ کا پانی پیا کرو۔
(4) پھوڑے پھنسیوں یا زخموں سے مکھیوں اور حشرات الارض کو ہٹانے کے لئے ٹہنیوں کی ایک چوری بنالو۔ اور اس کو اپنے جسم پر جھلا کرو۔

فَاضْرِبْ بِّہٖ کا صرف یہ مطلب ہے کہ ان شاخوں یا جھاڑو کے ساتھ مار۔ کسے مار؟ یہ محذوف ہے۔ اور آپ نے اس محذوف سے مراد ان کی صورت لی ہے۔ جس کا نہ کوئی ذکر ہے نہ مناسبت ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس چیز کو مارنا ہے وہ محذوف ہے مگر وہ عورت نہیں ہے بلکہ شاخوں اور چوری کے لحاظ سے وہ مکھیاں، مچھر، حشرات الارض وغیرہ ہیں جو زخموں اور پھوڑے پھنسیوں کو گندہ اور خراب کرتے ہیں۔ پس معنے یہ ہوئے کہ اس شاخوں کے مٹھے سے ان نقصان دہ چیزوں کو مار اڑایا کر۔

و لا تحنث

لغت میں لاتحنث کے معنی قسم نہ توڑنے کے بھی ہیں۔ اس لئے مفسروں نے فرض کر لیا کہ انہوں نے ضرور قسم کھائی ہوگی۔ پھر خدا نے ان کو ایک حیلہ سکھایا۔ کہ سَو چھڑیوں کا ایک مُٹھا بنا کر صرف ایک دفعہ اس سے اپنی بیوی کو مارتا کہ قسم کا عہد پورا ہو جائے۔ اور اگر چہ وہ بیگناہ ہے۔ مگر تو ضرور اس کو ایک دفعہ سَو دُرّے لگا ہی دے۔ اگر چہ تیرا ظن غلط ہی ہے۔ (عہد کا پورا کرنا دوسرے کے فائدہ کے لئے تھا مگر اب علماء ظواہر نے لفظ عہد کو لے لیا ہے۔ خواہ اس سے دوسرے کو نقصان ہی پہنچے۔ مگر تاکید یہ ہے کہ عہد کو ضرور پورا کرو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

واضح ہو کہ حنث کے معنی جس طرح قسم توڑنے کے ہیں۔ اسی طرح تمام لغات میں اس کے دوسرے معنے حق سے باطل کی طرف جھکنے اور میلان کرنے کے بھی آئے ہیں۔

اور مفرداتِ راغب نے حنث کے معنی ذنب یعنی گناہ کے کئے ہیں خود قرآنِ مجید نے بھی اپنی ایک اور آیت میں یہی معنے کئے ہیں۔

وَ کَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ (الواقعہ:47) یعنی وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔

اور حافظ روشن علی صاحب (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ترجمے میں یہاں حنث کے معنی گناہ ہی کے کئے ہیں۔ پس و لا تحنث کے معنی ہوئے کہ باطل یعنی غلطی کی طرف مائل نہ ہو اور گناہ کی بات نہ کر۔ قسم توڑنے کے معنے کی نہ سیاق و سباق اجازت دیتا ہے۔ نہ کوئی اور وجوہات۔

ہاں آپ اب مجھ سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ایوبؑ کو خدا نے کیوں فرمایا کہ دیکھ غلطی نہ کر ذنب نہ کر۔ گناہ اور باطل کی طرف مت جھک۔ تو اس کی وجہ کیا ہے۔

اب میں اس کی وجہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اجسام کی تربیت کرتا ہے۔ اسی طرح اخلاق اور روح کی تربیت بھی اپنے کلام اور الہام سے کرتا رہتا ہے۔ جسمانی نسخہ کے چار اجزاء تو ان کو خدا نے بتائے۔ مگر ایک غلطی

روحانی ان سے سرزد ہوچکی تھی۔اس کی اصلاح اور درستگی بھی نہایت ضروری تھی جس پر ان کو متنبہ کیا گیا اور وہ غلطی یہ تھی کہ ایوبؑ نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ (ص:42)

یعنی شیطان نے مجھ کو ایذاء اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔یہ دعا اپنے ایک نبی کے مُنہ سے سنی ایسی نامناسب اور حیرت انگیز تھی۔کہ خدا تعالیٰ نے انہیں فوراً منع فرمایا کہ آئندہ کبھی ایسی بات مُنہ سے نہ نکالنا۔کیا ہمارے پیارے بندوں خصوصاً نبیوں پر عذاب بھی آسکتا ہے۔کیا شیطان ان کو مَس کر کے بیماری اور ایذاء لگا سکتا ہے؟ انبیاء پر خواہ کتنی سخت بیماریاں آئیں وہ کبھی عذاب کا رنگ نہیں رکھتیں۔بلکہ ہمیشہ بطور اصطفاء کے آتی ہیں۔اور شیطان کا نام تو ایسی جگہ بالکل ہی غیر موزوں اور نامناسب ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ۔(الحجر:43)

ترجمہ:جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کبھی تسلط نہیں ہوگا۔

اور فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ۔(المائدہ:19)

ترجمہ:پھر وہ تمہارے قصوروں کے سبب سے تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے۔

اور لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْن۔(البقرہ:39)

ترجمہ:انہیں نہ کوئی (آئندہ کا) خوف ہوگا اور نہ وہ (سابق کوتاہی پر) غمگین ہوں گے۔

اور اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔ (النمل:11)

ترجمہ:میں وہ ہوں کہ رسول میرے حضور میں ڈرا نہیں کرتے۔

وغیرہ آیات کے برخلاف اس دعا میں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔اگر رسولوں پر عذاب آنے لگے تو پھر امان ہی اٹھ جائے۔چنانچہ آپ قرآنِ کریم کو اوّل سے آخر تک پڑھ جائیں۔عذاب یعنی سزا کا لفظ سینکڑوں مقامات (قریباً 315) جگہ میں استعمال ہؤا ہے۔مگر ایک جگہ بھی وہ رسل۔انبیاء۔اولیاء بلکہ مومنوں تک کے لئے بھی نہیں آیا۔سو یہ وہ کمزوری یا حنث یا ذنب یا غلطی تھی جو ایوبؑ سے سرزد ہوئی۔پس جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ خدا نے ان کا روحانی علاج بھی کر دیا کہ دیکھ آئندہ ایسا کلمہ منہ پر نہ لائیو۔یہ بہت گناہ کی بات ہے۔آئندہ میں تجھ سے ایسی بات نہ سنوں کہ مجھ پر عذاب نازل ہو رہا ہے یا شیطان کا اثر مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ہرگز ہرگز نہیں۔

واضح ہو کہ بموجب اسلامی عقائد کے انبیاء بلکہ صدیقوں کو بھی مسِّ شیطان نہیں ہوتا۔جیسے کہ احادیث میں آیا ہے عیسیٰؑ اور ان کی ماں مسِّ شیطان سے پاک تھیں۔یعنی عیسیٰؑ بسبب نبی ہونے کے اور مریم بسبب صدیقہ ہونے کے مسِّ شیطان سے محفوظ تھے۔اور پھر ایوبؑ کیوں نہ ہوتے۔دوسرے یہ کہ نصب اور عذاب کا واقع ہونا تو خدا کے دشمن لیکھرام جیسوں کے لئے مناسب تھا۔جیسا کہ الہام عجل جسد له خوار له نصب و عذاب۔حضرت مسیح موعود کی وحی اس کے بارے میں ہے۔اب اگر ایک نبی انہی الفاظ کو اپنے اوپر چسپاں کرنے لگے تو اللہ میاں کو برا لگے یا نہ لگے؟

چنانچہ حضرت ایوبؑ نے فوراً اس غلطی سے توبہ کی اور خدا نے بھی ان کی تعریف فرمائی کہ وہ اوّاب یعنی فوراً رجوع کرنے والا تھا اپنی غلطی سے۔

اب اس رجوع کا ثبوت بھی قرآن مجید سے ہی پیش کرتا ہوں۔چنانچہ اس توبہ کے بعد پھر بھی حضرت ایوبؑ برابر اپنی بیماری کے لئے دعا کرتے رہے۔مگر وہ دعا یہ تھی:اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ (انبیاء:84)

یعنی مجھے بیماری کی تکلیف ہے۔پس اے اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اس تکلیف کو تو مجھ سے دور کر دے۔یعنی انہوں نے اپنی دعا کے الفاظ بالکل تبدیل کر دیئے۔

پس اصل واقعہ تو یہاں تک ختم ہے۔مگر اس ضمن میں ایک دو باتیں بیان کرنی ضروری ہیں:

۱۔ اوّل تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تمام صفات قرآنِ مجید میں بیان کی ہیں اور اکثر کی عملی تفصیل بھی دی ہے۔اسی طرح صفتِ شفاء کا ذکر اس جگہ اور بعض اور جگہ کیا ہے۔یعنی خدا کے دوستوں اور پیاروں کو اس کی طرف سے نسخے اور دوائیں اور ترکیبیں بیماری دفع کرنے کی بھی بتائی جاتی ہیں۔جس طرح کہ یہاں چار تجویزیں بتائی گئیں۔اسی طرح شہد کو بھی شفا کہا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ایک بیماری میں آپ کو بعض ہدایتیں دی گئیں اور معوذتین کا ورد بتایا گیا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو 'خاکسار پیپرمنٹ' اور 'ھذا علاج الوقت والنربسی' کا الہام ہؤا۔نیز ایک دفعہ دریا کے پانی اور ریت کی مالش بطور علاج بتائی گئی۔اسی طرح روحانی غلطیوں کی اصلاح کے لئے بھی حضرت نوحؑ سے لے کر حضرتِ احمدؑ تک تمام انبیاء کو ان کی غلطیوں اور لغزشوں پر تنبیہ ثابت ہے۔اور دراصل تنبیہ کیا، یہ تو ایک الہامی تربیت ہے۔جو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے دوستوں کی کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض ان آیات کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ علاج کے آدھے اجزا ایک طرف ہیں اور آدھے دوسری طرف بیچ میں ایک آیت وَ وَھَبْنَا لَهٗ اَھْلَهٗ والی کیوں رکھ دی گئی۔سو یہ بات بھی قرآنی دستور اور آئین کے برخلاف نہیں ہے۔بارہا ایک مضمون کو قرآنِ مجید نے بیان کیا ہے۔تو ایک آیت بظاہر تسلسل کو توڑنے والی اندر ڈال کر پھر فوراً معاً بعد وہی مضمون آگے شروع کر دیا ہے۔مثلاً طلاق کے مسئلہ میں جہاں پہلے بھی یہ مسئلہ ہے اور پیچھے بھی، بیچ میں یہ مضمون ڈال دیا کہ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ۔ (البقرہ:239)۔ترجمہ:تم (تمام) نمازوں کا اور (خصوصاً) درمیانی نماز کا پورا خیال رکھو۔اور اللہ کے لئے فرماں بردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔

خصوصاً قصص قرآنی میں تو ایسا بہت ہؤا ہے۔کہ تسلسل بسبب کسی آیت کے ٹوٹا ہؤا معلوم ہوتا ہے۔ایسی آیت حقیقۃً جملہ معترضہ کے طور پر ہوتی ہے۔سو یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کو اس کی دعا کے بعد نسخہ بتایا۔بیچ میں اپنے فضل اور انعام کا ذکر کر دیا۔پھر وہی مضمون علاج کا شروع کر دیا۔سو واقف حال لوگوں کے نزدیک یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔بلکہ کلام الٰہی کا خاصہ ہے کہ وہ قصہ بیان کرتے ہوئے بیچ میں صفاتِ الٰہی اور انعاماتِ الٰہی وغیرہ کا ذکر برابر کرتا چلا جاتا ہے۔کیونکہ ایسے سارے قصوں کا حقیقی مقصود یہی چیزیں ہوتی ہیں۔

ایک دلچسپ تفاول

1938ء اور 1939ء میں مَیں نے اخبار "الفضل" میں بہت سے مضامین قرآنِ مجید کی آیات خصوصاً قصص القرآن کی تفصیلات اور حقیقت کے متعلق لکھے

باقی صفحہ 17 پر ملاحظہ فرمائیں

احمدیت نے دنیا کو کیا دیا؟......قیامِ خلافت اور نظامِ جماعت

خطاب قبل از خلافت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

احمدیت نے دنیا کو محض نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے ہی از سرِ نو وہ اسلام نہیں دیا جو حضور اکرم ﷺ کا اسلام تھا بلکہ وہ نظام بھی عطا کیا جو اس آسمانی پانی کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور دنیا کے کونے کونے تک اُس کی ترسیل کا انتظام کرتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جسے اسلامی اصطلاح میں ''نظامِ خلافت'' کہا جاتا ہے اور جس کے بغیر دینی اقدار کی کما حقہ حفاظت ناممکن ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے آج تک کی اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ نظامِ خلافت کا ہاتھ سے جاتا رہنا ہے۔ یہ صرف اسلام کا ہی المیہ نہیں بلکہ فی الحقیقت اسے چودہ سو سال میں تمام بنی نوع انسان کا سب سے بڑا المیہ کہنا چاہئے کیونکہ دنیا کی اکثریت کی اسلام سے محرومی کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی نظامِ خلافت کی برکات سے محروم ہے۔ یہ نظام چونکہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی منشاء اور ارادہ سے قائم ہوتا ہے اس لئے تاوقتیکہ آسمان پر خدا اس نظام کو از سرِ نو قائم کرنے کا فیصلہ نہ فرمائے صرف انسانی ہاتھوں کے ذریعہ اس کا قیام ناممکن ہے۔ پس اس المیہ کے بعد جو گزر گیا خدا تعالیٰ کا عظیم ترین فضل بھی یہی ہے کہ اس نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرما کر خلافتِ راشدہ اسلامیہ کو دوبارہ قائم فرمایا: ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَن یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (الجمعہ:5)

آج اسلامی اقدار کی حفاظت اور ادیانِ باطلہ پر اسلام کے غلبۂ نو کا انحصار اسی نظام کی کامیابی اور استحکام پر ہے، اس کی مثال ایک شجرۂ طیبہ کی سی ہے جو ہر آن میٹھے پھل دنیا کو کھلاتا ہے اور کسی موسم میں بے فیض اور بے ثمر نہیں رہتا۔ یا پھر یہ ایک روحانی جنت کی طرح ہے جس کے گھنے سایوں تلے اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کی نہریں بہتی ہیں اور روحانی فیوض کے اثمار سے اس کی شاخیں لدی ہوئی ہیں۔

خلافتِ راشدہ کا قیام وہ جزا ہے جو توحید پرستوں کو اسی دنیا میں عطا ہوتی ہے اور آسمان پر ایک خدا کو ماننے والے زمین میں ایک ہاتھ پر اکٹھے ہو کر وحدتِ ملی کی ایک دلکش تصویر پیش کرتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا نظام اعلانِ عام ہے اُس ازلی اور ابدی سچائی کا کہ خدائے واحد نے اپنے بندوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے قیام کے بغیر حقیقی توحید کا قیام ممکن نہیں چنانچہ قرآنِ کریم میں توحیدِ خالص کو قیامِ خلافت کے پھل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کو عطائے خلافت کا وعدہ دیتے ہوئے اس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یَعْبُدُوْنَنِیْ لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئاً (النور:56)۔ یعنی خلافتِ راشدہ کے استحکام کے ساتھ قیامِ توحید کے لئے وہ سازگار فضا پیدا ہوگی ہے کہ تم خالصۃً میری عبادت کرنے لگو گے اور کسی دوسرے کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ گے۔

خدا تعالیٰ نے قیامِ احمدیت کے ذریعہ یہ عظیم الشان نظام دنیا کو از سرِ نو عطا فرمایا ہے جو دراصل آج اہلِ اسلام کے لئے نئی زندگی کا ایک پیغام ہے اور ان پر جو اسلام کی چاردیواری سے باہر ہیں اسلام کے دروازے ایک مادرِ مہربان کی آغوش کی طرح وا کر رہا ہے۔

نظامِ خلافت کے خدوخال

ایک مرکزی نقطۂ حیات یعنی خلیفۃ المسیح کے گرد فدایانِ اسلام کی ایک جماعت اکٹھی ہے جو خدمتِ دین کے لئے اُس کی ہر آواز پر سَمْعاً وَ طَاعَۃً سَمْعاً وَّ طَاعَۃً کے سوا کچھ کہنا نہیں جانتی جو نیکی کی راہیں وہ انہیں دکھاتا ہے، وہ بڑی تیزی کے ساتھ اُن پر قدم مارتی ہے اور دینِ محمدی کی جس خدمت کے لئے اسے بلاتا ہے وہ لَبَّیْکَ یَا سَیِّدِیْ لَبَّیک کہتی ہوئی اپنی جانیں اور اپنے اموال لئے ہوئے حاضر ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کے ایک ہاتھ پر اٹھنا اور ایک ہاتھ پر بیٹھنا جانتی ہے۔ اسی لئے اپنی ہیئتِ مجموعی میں کثرتِ تعداد کے باوجود ایک فردِ واحد کی طرح زندہ ہے۔ جس کی جان خلافتِ راشدہ میں ہے اور خلیفہ راشد اس کے لئے بمنزلہ دل کے ہے۔ یہ دل قالب بدلتا ہے لیکن خود کبھی نہیں مرتا۔ اس دل کے نام بدلتے ہیں، مگر کام نہیں بدلتے۔ یہ کبھی نورالدینؓ کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے کبھی محمود کا لبادہ اوڑھے ہوئے اور کبھی ناصر احمد بن کر غلامانِ محمدؐ کی قومی زندگی کے سینے میں دھڑکتا ہے اور خدا کرے کہ اسی طرح قیامت تک دھڑکتا رہے اور کبھی اس دل پر موت نہ آئے کیونکہ اسلام کی حیاتِ نو اس دل کے ساتھ وابستہ ہے اور اسی کی دھڑکن ہے جو مسلمانوں کے قومی وجود کے پور پور میں نبض آسا چلتی ہے۔

صدر انجمن احمدیہ

قرآن کریم متعدد مرتبہ نزولِ شریعت کی مثال آسمانی پانی سے دیتا ہے جو نازل ہو کر مُردہ زمینوں کو نئی زندگی بخشتا اور انہیں روحانی سرسبزی اور شادابی عطا کرتا ہے۔ تمثیلی زبان میں اگر گفتگو کی جائے تو نظامِ خلافت اس پانی کی حفاظت کرتا ہے اور اسے نہروں کی صورت میں زمینوں کی سیرابی کے لئے جاری کرنے کا انتظام کرتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ بھی اس نظام کا ایک جزو ہے جو احمدیت نے دنیا کو عطا کیا اور مرکزی حیثیت کی حامل یہ انجمن شریعتِ اسلامی کی روشنی میں اہلِ دنیا کی تربیت، رشد و اصلاح، دینوی تعلیم، عمومی فلاح و بہبود، اقتصادی ترقی، خدمتِ خلق، عقائد اور اعمال کی نگرانی اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ترویج کے لئے رائج کی گئی ہے۔ یہ کام کئی شعبوں میں تقسیم ہے جنہیں نظارتوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کوئی نظارت تعلیمی امور کی انجام دہی کے لئے قائم ہے تو کوئی رشد و اصلاح کے لئے مخصوص، کسی نظارت کا کام ان روحانی خزائن کی تقسیم ہے جو ہزاروں سال سے مدفون تھے اور اس زمانہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زبان اور قلم پر جاری ہوئے اور کسی نظارت کا کام خدمتِ خلق کے عمومی کاموں کی بجا آوری اور اسلامی معاشرہ کی حفاظت اور نگرانی ہے۔ بالالفاظ دیگر یہ سب نہریں ہیں جو باغِ احمد

کی جنت کے گھنے سایوں تلے دائم بہتی ہیں اور خلافتِ احمدیہ کی ہدایات اور نگرانی کے ماتحت شریعتِ اسلامیہ کے روحانی پانی کو سمیٹے ہوئے چلتی ہیں۔

تحریکِ جدید

ایک اور عظیم الشان نظام سیرابی ''تحریکِ جدید'' کے نام سے جاری ہے جس کا رُخ اسلام سے باہر کی زمینوں کی طرف ہے۔اللہ اللہ! یہ نہریں کیا ہیں جو ہزاروں فدائیانِ اسلام کی قربانیاں لئے ہوئے بہہ رہی ہیں اور اُن کے پلائے ہوئے کھیت ان قربانیوں کے خون سے سینچے جا رہے ہیں۔ یہ اس غرض سے جاری ہیں کہ غیر مذاہب کی بنجر زمینوں کو اسلام کے پانی سے سیراب کریں۔ یہ عالمگیر آبی نظام خلافتِ راشدہ احمدیہ کا ایک شاہکار ہے جو دلوں کو مرعوب اور عقلوں کو دنگ کر رہا ہے اور دنیا کے ہر ایک برّ اعظم کو سیراب کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔اس نظام نے یورپ کو بھی اسلام کے پانی سے سیراب کیا ہے اور امریکہ کو بھی، چین کو بھی اور جاپان کو بھی۔ایشیا کے مختلف ممالک میں بھی اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں اور تاریک برّ اعظم افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں کو بھی یہ نہریں سیراب کر رہی ہیں۔ ان بہتے پانیوں کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتا ہے:

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ زبحر کمالِ محمد است

اللہ اللہ! کیا پُر بہار منظر ہے کہ اسلام کی سرزمین بڑھ رہی ہے اور بیرونِ اسلام کی زمینیں کم ہوتی جا رہی ہیں اور دیکھو خدا کا وہ وعدہ کس شان سے پورا ہو رہا ہے جو اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے محبوب ترین بندے سے کیا تھا کہ
أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ (الانبیاء:45)
یعنی کیا ان منکرین نے دیکھا نہیں کہ ہم بیرونِ اسلام کی زمین کو ہر سمت سے کم کرتے چلے جاتے ہیں اور اسلام کی زمین پھیل کر ان غیر زمینوں پر قبضہ کر رہی ہے۔کیا اس کے باوجود بھی وہ تجھ پر غالب آنے کے خواب دیکھتے ہیں۔

پس نظامِ تحریکِ جدید وہ نظام ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کے مقابل پر ہر دوسری زمین کو کم کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔آج یہ نظام بڑی تندہی اور بڑی شان کے ساتھ ان مقاصد کو پورا کر رہا ہے اور آج اسی نظام کی برکت ہے کہ یورپ کے روحانی ویرانوں میں بھی اسلام کے شاداب پودے لہلہا رہے ہیں اور افریقہ کے بیابانوں میں بھی اور باغِ احمد کی قلمیں کچھ یہاں کچھ وہاں، ہر خطہ ارض پر زمین کے کناروں تک پھیلائی جا چکی ہیں۔

وقفِ جدید

وقفِ جدید انجمن احمدیہ بھی باغِ احمد کا ایک سیرابی نظام ہے جو اندرونِ ملک کے ایسے دیہاتی خطوں کی سیرابی کے لئے جاری کیا گیا ہے جہاں قبل از یں روحانی پانی کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔احمدیت کے بہت سے ایسے چمن تھے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں بڑے شاداب اور پُر بہار تھے اور میٹھے پھل دے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ مرکزی نہروں کے زندگی بخش پانی سے اُن کا تعلق کم ہو گیا اور اُن میں کچھ خشکی اور پژمردگی کا شکار ہونے لگے۔خلافت راشدہ احمدیہ کی عظیم الشان برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس نے ان علاقوں کے لئے ایک مزید تقویتی نظام جاری کیا اور وقفِ جدید کو جاری کر کے اندرونِ ملک میں چھوٹی چھوٹی روحانی نہروں کا ایک جال پھیلا دیا تا کہ ایک چپہ زمین بھی ایسی نہ رہے جو خلافتِ احمدیہ کے روحانی آبِ حیات سے براہ راست سیراب نہ ہو۔

ابھی اس نظام کو جاری ہوئے چند سال کا عرصہ گزرا ہے لیکن اس کے اثرات ہر طرف روحانی شادابی کی صورت میں ظاہر ہونے لگے ہیں اور بہت سے ایسے خطہ ہائے احمدیت ہیں جہاں نئی زندگی کا پیغام لئے ہوئے یہ نہریں جا پہنچی ہیں۔ ہر شاخ ہری ہو رہی ہے اور ہر پتے میں جان پڑ رہی ہے۔نئی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں اور چمن کے صحنوں کو وسعت مل رہی ہے۔بہت سے ایسے دلکش مناظر ہیں کہ دیکھ کر آنکھوں میں طراوت آتی ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے:

بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں
کُھلے ہیں پھول میرے بوستاں میں

کیوں نہ دل ان مناظر کو دیکھ کر خوش ہو کہ بعض ایسی مسجدیں جو کبھی نمازیوں کی کمی کی شکایت کرتی تھیں اب زبانِ حال سے وَسِّعْ مَکَانَکَ۔ وَسِّعْ مَکَانَکَ پکار رہی ہیں۔کیوں نہ دل ان مناظر کو دیکھ کر خوش ہو کہ بہت سے احمدی بچے جو کبھی اپنے گھروں میں بھی نماز سے غافل تھے اب پو پھٹتے ہی گھروں سے نکلتے ہیں اور درود شریف کا ورد کرتے ہوئے دیہات کی گلیوں میں پھرتے ہیں۔معصوم زبانوں میں جاری یہ درود کے نغمات دوسرے بچوں اور جوانوں اور بوڑھوں کو بیدار کرتے ہیں۔اور صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا۔صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کی صداؤں سے دیہات تک کی فضا مترنم ہو جاتی ہے۔نمازیوں سے مسجدیں بھر جاتی ہیں اور تلاوت کی آواز سے روحیں وجد کرنے لگتی ہیں۔ہاں کیوں نہ دل ان مناظر سے خوش ہو کہ ایسی ہندو بستیوں میں بھی وقفِ جدید کی نہریں جاری ہو چکی ہیں جو کبھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے نام کو سننا تک گوارا نہیں کرتی تھیں، توحید کے پانی نے اُن زمینوں کو اپنا لیا ہے جو کبھی سینکڑوں فرضی خداؤں کے قبضہ میں تھیں۔آج وہاں بھی توحید کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، آج وہاں بھی مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں۔آج وہاں بھی خدائے واحد کی پرستش کرنے والے جنم لے رہے ہیں۔ہاں آج ان مشرک بستیوں میں بھی وہ گواہ پیدا ہو رہے ہیں جو پانچ وقت صدقِ دل کے ساتھ یہ گواہی دیتے ہیں کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

بعض ذیلی تنظیمیں

نظامِ خلافت بھی اُن ملائکہ کی طرح ہے جو أُولِیْٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (فاطر:2)۔اللہ تعالیٰ اس نظام کو جس قدر چاہئے اور بھی روحانی پرواز کے لئے پَر عطا کرتا رہے گا، یہ ایک مکمل نظام ہے جو کسی بندے کی تخلیق نہیں بلکہ وحی الٰہی کے مطابق جاری ہوا ہے۔القائے الٰہی کے مطابق ہی اس میں بنی نوع انسان کے لئے فیض رسانی کے نئے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور دینی اور روحانی اقدار کی حفاظت کیلئے قطار اندر قطار دفاعی قلعے تعمیر ہو رہے ہیں۔

لجنہ اماء اللہ

ایک لجنہ اماء اللہ کی تنظیم ہے جو اسلامی تعلیم کو عورتوں میں رائج اور راسخ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے اور اسلامی اقدار کے مطابق اچھی مائیں پیدا کرنے

کے سلسلہ میں عظیم قومی خدمت میں مصروف ہے۔

اطفال الاحمدیہ

اطفال الاحمدیہ کی تنظیم بچوں کواسلامی تربیت دینے پر کمربستہ ہےاوروہ محروم بچے جوگھروں میں دینی تعلیم وتربیت سے بےنصیب رہے،اس تنظیم کے دائرہ میں آکردین سیکھنےاوردین پرعمل پیراہونے کی کوشش کررہے ہیں۔

خدام الاحمدیہ

ایک خدام الاحمدیہ کی تنظیم ہے جواُن نوجوانوں کے لئے وجود میں آئی جو طفولیت سے عہدِ جوانی میں داخل ہورہے ہیں اور پھر چالیس سال کی عمر تک اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔اِس تنظیم کے زیرِ انتظام نوجوان گرم خون اور بلند ولولوں کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔یہ مجلس اُن کے سامنے خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کے نئے نئے پروگرام رکھتی ہے۔بہتر رنگ میں اپنے رب کی عبادت کرنے کے درس دیتی ہےاورمخلوقِ خدا کی خدمت اور بہبودی کی راہیں اُن پر کھولتی ہے۔یہ مجلس اُن نوجوانوں کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہے جواطفال الاحمدیہ کے تربیتی دائرہ سے کماحقہٗ مستفید نہ ہوئے ہوں اورعہدِ جوانی میں اُن کی تربیت کرنے کے خصوصی پروگرام بناتی ہے۔مختلف مقامات کےعلاوہ حلقہ وار،ضلع واراورعلاقہ وار تربیتی اجتماعات کا انعقاد کرتی ہے اور ان تمام مقاصد کو پورا کرنے میں مرکزی انجمنوں کا ہاتھ بٹاتی ہےجن مقاصد کے لئے سلسلہ احمدیہ کوقائم کیا گیا ہے۔

انصاراللہ

احمدیت حقیقی اسلام ہے اور اسلام میں موت سے قبل ریٹائر ہونے کا کوئی تصورنہیں۔ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی استعدادوں اورخداداد قوتوں کے مطابق حسبِ توفیق اللہ تعالیٰ کی راہ میں تادمِ آخرکوشش کرتارہے۔پس احمدیت بھی اس تصور کی عملی تصویر پیش کرتی ہےاوراس کے تربیتی حلقے زندگی کے سب دائروں پر محیط ہیں۔جب احمدی نوجوان اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر چکتے ہیں تو اُن پر مجلس انصاراللہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اوراس مجلس میں داخل ہوکر پھر زندگی کے آخری سانس تک وہ اسی مجلسی دائرہ میں رہتے ہوئے پہلے سے بڑھ کر ذہنی اورعملی پختگی کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف ہوجاتے ہیں۔یہ مجلس اُن کے اعمال کو بہتر سے بہتر کرنے میں شب وروز کوشاں رہتی ہے اوراس دن سے پہلے کہ وہ اپنے رب کے حضور پیش ہوں،ہرگھڑی بلندتر روحانی درجات کے حصول میں اُن کی مدد کرتی ہے۔

پس نظامِ احمدیت میں یہ مجالس احمدیت کے مرکزی تربیتی نظام کو مزید تقویت دے رہی ہیں اور اسلامی روحانی اقدار کی حفاظت کے لئے ایک ایسے عظیم الشان دفاعی نظام کے مشابہ ہیں جس میں قلعوں کے بعد قلعے ایک دوسرے کی پشت پناہی کررہے ہوں۔

یہ عظیم الشان اورمکمل نظامِ روحانی جوخلافتِ راشدہ احمدیہ کے ذریعہ دنیا کو عطا ہوا کوئی معمولی معجزہ نہیں۔تیرہ صدیوں تک مسلمان ایک کے بعد دوسرے تنزل کی جانب اترتے رہے اور تیرہ طویل صدیوں تک اسلام کی تصویر غیروں کی نظر میں بگڑتی چلی گئی۔اگرآنحضرت ﷺ کی قوی اور دائمی قوتِ قدسیہ کا سہارا نہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کی ابدی نصرت کا وعدہ شاملِ حال نہ ہوتا توکبھی کی یہ امت ماضی کا ایک عبرت آموز قصہ بن چکی ہوتی اوراس آبِ حیات سے دنیا ہمیشہ کے لئے محروم ہوچکی ہوتی۔لیکن جیسا کہ ازل سے مقدّر تھا آخری زمانہ میں اسلام کوایک نئی اور پُرشوکت زندگی عطا ہونی تھی اورادیانِ باطلہ پرایک عالمگیرغلبہ کی بنیاد مسیحِ محمدی کے ہاتھوں رکھی جانی تھی۔پس خوشا وہ وقت کہ جب قادیان کی گمنام بستی میں اسلام کی تعمیرِ نو کی پہلی اینٹ رکھی گئی اوراُس وقت سے آج تک ہرروز یہ عمارت اپنی تکمیل کی نئی اور بلندتر منازل کی طرف اٹھائی جارہی ہے۔وہ کھویا ہوا نظامِ خلافت جو اسلام کے استحکام اورتمکنت کیلئے بمنزلہ جان کے تھا پھر سے مسلمانوں کوعطا ہو چکا ہےاورزمین کے کناروں تک قوموں نے اس کے فیض سے برکت پائی ہے۔

پس اے مسلمانانِ عالم!احمدیت کوآپ کا انتظار ہے! کب آپ دینِ محمدؐ کے احیاء کی خاطراس عظیم الشان نظام میں شامل ہوں گے اوران قربانیوں کی لذّت سے حصہ پائیں گے جوآج خدامِ احمدیت کے لئے مخصوص ہوچکی ہیں۔احمدیت کوآپ کا انتظار ہے کیونکہ آپ کی شمولیت سے دینِ اسلام کوتقویت نصیب ہوگی اوراسلام کا وہ عظیم سمندر جوآج قطرہ قطرہ دنیا کی خشکیوں میں بکھرا پڑا ہے، ایک بار پھرمجتمع ہوکر ایک بحرِ بیکراں میں تبدیل ہو جائے گا، کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

کوئی روحانی نظام خواہ کیسا ہی کامل اورنافع الناس کیوں نہ ہواُس وقت تک کامیابی سے نہیں چل سکتا جب تک قربانیوں کے خون سے اُس کی آبیاری نہ کی جائے۔اسلام کا اکمل نظام بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں قربانیوں کا خون پی کر پنپا تھا۔

بنی نوع انسان کو ہدایت اور کامیابی کی راہوں کی طرف بلانا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں،دنیا کی ہدایت کے دعویدار پھولوں کی سیج پرچل کرروحانی انقلاب برپا نہیں کیا کرتے۔وہ وقت یادکرو جب ایک خیرِامّت،بنی نوع انسان کی بہبود کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے پروں تلے پرورش پاکر تیار ہوئی اور رحمت کا پیغام لئے بنی نوع انسان کی طرف نکلی۔اس راہ میں انہوں نے کیسے کیسے دکھ اٹھائے اورکتنی طویل اورمسلسل اورشاندارقربانیاں دیں۔پس محض ایک کامل نظام کی موجودگی سے دنیا فیض نہیں پاسکتی جب تک اس نظام کے نفاذ کے لئے بےمثل قربانیاں دینے والے کچھ بےنفس بندے بھی دنیا کوعطا نہ ہوں۔احمدیت نے یہ بےنفس بندے بھی دنیا کوعطا کئے۔یہ وہ بےنفس بندے ہیں،جنہیں اس زمانہ میں بنی آدم کی بہبود کے لئے نکالا گیا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو بےدریغ اپنے عزیز مال کوایک بلند مقصد کی خاطر لٹارہے ہیں اور یہ لوگ ہیں جواپنی قیمتی جانیں ایک عظیم الشان مطمحِ نظر کی خاطرقربان کررہے ہیں۔یہ ایک نہایت حیرت انگیز مالی اورجانی قربانی کا نظام ہےجس کی نظیر دنیا کے پردے پراس وقت اورکوئی نہیں اور جس کی مثل ڈھونڈنے کے لئے نظرکو چودہ سوسال کے زمانہ کی طرف لَوٹنا پڑتا ہے۔

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ہرانجمن اور ہر تنظیم کی رگوں میں اُن بندگانِ خدا کی قربانیوں کا منزہ خون دوڑ رہا ہے،یہ روپیہ جو پانی کی طرح اسلام کے احیائے نو کے لئے اور دنیا کودینِ محمدی کی طرف بلانے کے لئے بہایا جارہا ہے اور یہ جانیں جو خدمتِ دین کے لئے بھیڑ بکریوں کی طرح قربان کی جارہی ہیں،ان کی کہانی سننے کے لائق اوران کی کیفیت دیکھنے کے قابل ہے۔

ہر بالغ احمدی جو کچھ کمانے کی طاقت رکھتا ہے ان پابندیوں کے باوجود کہ ناجائز طریق سے کمائی کے سب راستے اس پر بند ہیں اور مالی تنگی کے باوجود جو اس کے نتیجہ میں اسے برداشت کرنی پڑتی ہے اپنی کمائی کا کم از کم 1/16 حصہ اور زیادہ سے زیادہ 1/3 حصہ صدر انجمن کی خدمت میں اس غرض سے پیش کرتا ہے کہ خلیفہ کی رہنمائی میں، راہِ خدا میں اسے خرچ کرے۔ پھر جو اُس کے پاس بچتا ہے وہ بھی سب اس کا نہیں ہو جاتا بلکہ غیر ممالک میں مذاہبِ غیر پر غلبہ اسلام کے لئے جو تبلیغی ادارہ ''تحریک جدید'' کے نام سے جاری کیا گیا ہے، اس کو چلانے کی خاطر وہ اپنے بچے ہوئے مال میں سے ایک حصہ تحریک جدید انجمن احمدیہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ ہو۔ پھر اُس کے بعد جو بچ رہتا ہے وہ بھی سب اس کا نہیں ہو جاتا بلکہ اندرونِ ملک میں دیہاتی جماعتوں کے احیائے نَو کے لئے اور ان کے دینی معیار کو بلند کرنے کے لئے جو انجمن ''وقفِ جدید'' کے نام سے جاری کی گئی ہے، وہ اپنے بچے ہوئے مال میں سے ایک حصہ وہ اس انجمن کو چلانے کے لئے پیش کر دیتا ہے۔ اس کے بعد جو بچ رہتا ہے وہ بھی سب اس کا نہیں ہو جاتا بلکہ اگر وہ نوجوان ہے تو نوجوانوں کی انجمن ''مجلس خدام الاحمدیہ'' کے اخراجات چلانے کے لئے بھی چندے دیتا ہے۔ اور اگر وہ چالیس سے متجاوز ہے تو وہ ''مجلس انصار اللہ'' کی خدمت میں دینی کاموں پر خرچ کرنے کے لئے اپنے اموال کا ایک حصہ پیش کر دیتا ہے اور اگر وہ عورت ہے تو ''لجنہ اماء اللہ'' کی تنظیم کے اخراجات چلانے کے لئے وہ اپنے مال کا ایک حصہ اس مجلس کی خدمت میں پیش کر دیتی ہے۔ پھر جو بچ رہتا ہے وہ بھی سب اس کا نہیں ہو جاتا کیونکہ تعمیر مساجد کے لئے بھی اس سے مالی قربانی کا مطالبہ ہوتا ہے اور مختلف زبانوں میں تراجم قرآن مجید شائع کرنے کے لئے بھی پھر اسی سے مالی قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پھر جو بچ رہتا ہے وہ بھی سب اس کا نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کے سامنے اب اپنے ربّ کے یہ احکام بار بار پڑھے جاتے ہیں کہ وَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (الذاریات:20) یعنی خدا کے بندوں کے اموال میں سوالیوں اور محروموں کا بھی حق ہے۔

پس خدا کے یہ عجیب بندے اپنے اموال میں سے دن رات صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں، خفیہ طور پر بھی اور ظاہری طور بھی۔ چھپ چھپ کر بھی اور اعلانیہ بھی۔ پھر جو بچ جاتا ہے وہ سب بھی ان کا نہیں ہو جاتا کیونکہ انہیں بتایا جاتا ہے کہ دینی علم کے بغیر خدمتِ دین کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن و حدیث کے مطالعہ پر خرچ کرو، امام الزمان کی کتب پر خرچ کرو، خلفائے سلسلہ کی تحریرات خریدو، تفسیر صغیر پڑھو اور تفسیر کبیر کا مطالعہ کرو، بزرگانِ سلسلہ کی کتابوں سے استفادہ کرو۔ ''الفضل'' سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ترجمان ہے، اس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ نوجوان ہو تو خدام الاحمدیہ کے ترجمان ''خالد'' کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔ انصار اللہ کے رکن ہو تو ''انصار اللہ'' کا مطالعہ تمہارے لئے از بس ضروری ہے۔ لڑکی یا عورت ہو تو خواتین کا رسالہ ''مصباح'' کے بغیر تمہاری معلومات مکمل نہیں ہو سکتیں۔ پس اپنے بچے ہوئے اموال میں سے خدا کے یہ عجیب بندے ماہ بماہ اور سال بہ سال ان دینی کتب اور رسائل کی خرید پر بھی روپیہ صرف کرتے ہیں۔ پھر جو بچ رہتا ہے، وہ بھی سب ان کا نہیں ہو جاتا بلکہ گاہ بہ گاہ خدا کے نام پر خرچ کرنے کی اور راہیں بھی ان پر کھولی جاتی ہیں۔ کبھی خدام الاحمدیہ کے ہال کی تعمیر ہو رہی ہے اور کہیں وقفِ جدید کا مرکزی دفتر بن رہا ہے اور کبھی فضلِ عمر فاؤنڈیشن کے نام پر ایک عظیم الشان رفاہی منصوبہ اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

یہ قطار اندر قطار مالی قربانیوں کا مظاہرہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ کمانے والے ان سب چندوں کی ادائیگی کے بعد جب اپنی بیویوں کو خرچ دیتے ہیں تو وہ بھی حسبِ توفیق ان سب چندوں میں شامل ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔ پھر یہ قطار اندر قطار مالی قربانی کا مظاہرہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ چند پیسوں یا آنوں یا روپوں کے چھوٹے چھوٹے جیب خرچ جو مائیں اپنے بچوں کو دیتی ہیں وہ بچے بھی ان میں سے ایک حصہ اپنے ربّ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ دنیا والے ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں کو حقیر نہ جانیں کہ خدا کی نگاہ میں ان کی بڑی قیمت ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے سینوں میں اللہ اور رسول کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے والے عظیم دل چھپے ہوئے ہیں۔ ان ننھے منے بچوں میں ایسے مجاہدینِ اسلام بھی ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی شوق کی گردن پر چھری رکھ دی اور سالہا سال کی جمع شدہ پونجیاں دینِ محمدیؐ کی خاطر خلیفۂ وقت کے حضور پیش کر دیں اور جب خلیفۂ وقت نے اسے قبول کرنے میں تأمل کیا تو مچل گئے اور بضد ہوئے اور نہ ٹلے جب تک ان کی قربانی قبول نہ کی گئی۔ پھر ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے مہینوں پیسہ پیسہ جوڑ کر اپنی گُلیاں بھریں اور جب وہ بھر گئیں اور بوجھل ہو گئیں تو ان کے کانوں میں یہ آواز پڑی کہ خلیفۂ وقت وقفِ جدید کی مالی امداد کے لئے احمدی بچوں کو بلا رہا ہے۔ یہ آواز انہوں نے سنی اور اپنے شوق کو یہ دیکھنے کی مہلت بھی نہ دی کہ یہ ان کے مہینوں کے صبر اور ربانی کا ثمرہ تھا۔ وہ بند کی بند گُلیاں انہوں نے خلیفۂ وقت کے حضور پیش کر دیں کہ جو کچھ بھی ان میں ہے وہ ہمارا نہیں خدا کا ہے۔ پس خدا ہی کی راہ میں اسے خرچ فرمائیں۔

اے ابنائے آدم! اور اے معشرِ جن و انس! یہ وہ بچے اور وہ مائیں اور وہ باپ اور وہ جوان اور بوڑھے ہیں، جو احمدیت نے مخلوقِ خدا کی بہبودی کی خاطر قربانی کے میدانوں کی طرف نکالے ہیں اور وہ خیرِ امت ہے جو محمد عربیؐ کی قوتِ قدسیہ نے اس زمانہ میں پیدا کی ہے۔ اے امریکہ اور اے یورپ اور جاپان کے دولت مندو! اور چین اور روس کی عظیم مملکتوں کے فرماں رواؤ! کیا احمدی بچوں کی ان معصوم قربانیوں سے بڑھ کر بھی کوئی قیمتی دولت تمہارے خزانوں میں ہے؟ سنو! تمہاری سب دولتیں اور تمہارے سب خزائن اور دفینے دنیا کی زینت ہی تو ہیں اور دنیا ہی کی بھٹی میں جل کر خاکستر ہو جائیں گے اور تمہیں ہلاکت کی گھڑی سے بچا نہ سکیں گے لیکن یہ حقیر نظر آنے والی گُلیاں اور یہ پیسے اور یہ ٹکے جو معصوم دلوں نے بے پناہ خلوص کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور میں پیش کئے ہیں یہ بڑھیں گے اور پھولیں گے اور پھلیں گے اور انہیں برکت پر برکت ملے گی اور دنیا کی نجات اب ان سے ہاں ان ہی سے وابستہ ہو چکی ہے۔ اے مشرق و مغرب پر چھا جانے والی عظیم الشان طاقتو! جو اشتراکیت اور سرمایہ داری کی علم بردار ہو! تمہاری عظیم مادی قوتیں تمہارے کچھ کام نہ آئیں گی اور تمہیں ہلاکت کے اس دن سے نہ بچا سکیں گی جو دنیا کی تباہی کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ تمہارے جمع شدہ اموال تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔ سنو اور امام الزمان کی آواز سے سنو!:

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ خدا واحد و یگانہ ایک مدت چُپ رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چُپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشمِ خود دیکھ لو گے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔" (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد نمبر 22 صفحہ 269)

پس اے اہلِ دنیا! امام وقت کی اس آواز کو سنو جو تمہیں ہلاکت سے بچانے کیلئے منارِ محمدیؐ سے بلند ہوئی اور دیکھو احمدی بچوں اور ماؤں، بوڑھوں اور جوانوں کی ان پُر درد قربانیوں کو جو تمہیں تباہی سے بچانے کی خاطر وہ ربّ العباد کے حضور کس خلوص اور تڑپ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

خدا گواہ ہے کہ اب دنیا کی نجات احمدیت کی ان قربانیوں کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے، ان پیسوں کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے، جو معصوم بچوں نے اپنے خالق کے حضور پیش کئے ہیں۔ اُن جھومروں اور ان کنگنوں کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہے جو پاک دامن احمدی خواتین نے محض اس لئے اتار دئے کہ اُن کی فروخت سے مغرب کے بُت خانوں میں مسجدیں تعمیر ہوں اور خدائے واحد کی پرستش کی جائے۔

ہاں اے ابنائے آدم! آج تمہاری نجات ان زندگیوں سے وابستہ ہو چکی ہے جو ہزار ہا احمدی نوجوانوں اور بوڑھوں نے تمہیں اپنے ربّ کی طرف لوٹانے کی خاطر دینِ محمدیؐ کی نذر کر دیں۔ اُن مجاہدینِ احمدیت سے وابستہ ہو چکی ہے جو تبلیغ اسلام کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے اور گھروں کے آرام کو چھوڑ دیا۔ جوان بیویوں، بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے بچوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور دور دراز ممالک کو روانہ ہوئے تا کہ ابن آدم کو ہمیشگی کے امن یعنی دینِ اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ بعض ان میں ایسے تھے جو غیر ممالک ہی میں راہِ جہاد میں خدا کو پیارے ہوئے اور مڑ کر وطن اور اہلِ وطن کی صورت نہ دیکھ سکے اور بعض ان میں ایسے تھے جو اتنی دیر کے بعد اس حال میں وطن کو لوٹے کہ ان کے بوڑھے ماں باپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور اُن کی جوان بیویاں بوڑھی ہو چکی تھیں اُن کے بالوں کی سیاہی میں بڑھاپے کی سفیدی پھر گئی تھی۔ بیویوں نے خاوندوں کے بغیر اور بچوں نے باپوں کے بغیر زندگی کی تلخیاں برداشت کیں اور کربناک بیماریوں میں انہیں یاد کیا اور ایسا ہوا کہ سینکڑوں عورتوں نے اپنے خاوندوں کی زندگی میں ہی ایک بیوگی کی سی بدحالی کو اپنے لیے قبول کیا اور ہزار ہا بچے اپنے باپوں کی زندگی میں یتیموں کی طرح رہنے لگے۔ یہ افسانے نہیں حقیقتیں ہیں۔ آسمان کا خدا گواہ ہے کہ یہ حقیقتیں ہیں۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جو احمدیت دنیا کی نجات کے لئے کفارہ کے طور پر اپنے ربّ کے حضور پیش کر رہی ہے۔ ہاں یہ درد کی چادروں میں لپٹی ہوئی وہ بشارتیں ہیں، جو احمدیت نے دنیا کو عطا کیں۔

کاش دنیا ان حقیقتوں کو سمجھے اور ان بشارتوں کو قبول کرے اور اے کاش! دنیا اس خدائے واحد کی طرف لوٹ آئے اور اُس یکتا رسول احمد مرسل کو قبول کرے جس کی چاردیواری سے باہر کوئی جائے امن نہیں۔ اے کاش دنیا ہلاکتوں کے اس تاریک دور میں غلام احمدؑ کی اس آواز کو سنے کہ

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

(براھین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21، صفحہ 145)

بقیہ: **حضرت ایوّب کا قصّہ قرآنِ مجید میں** از صفحہ 12

تھے اور محض خدا کے فضل سے بعض باتیں اس زمانہ میں ان قصص کے متعلق مجھ پر کھلی تھیں۔ مگر ان دنوں میں حضرت ایوب کا یہ واقعہ مجھ پر منکشف نہیں ہوا تھا۔ ایک دن میں نے مسجد مبارک میں خاص اسی کے لئے بہت دعا کی۔ جب دعا کر کے اٹھا تو مسجد کے جنوبی دروازوں میں سے مجھے دفتر ریویو آف ریلیجنز کی سیڑھیاں جو اس زمانہ میں باہر بازار کی طرف ہوا کرتی تھیں نظر آئیں۔ اور میں نے ان سیڑھیوں پر ایک شخص کو چڑھتے دیکھا جس کی بغل میں ایک جھاڑو تھی۔ معاً مجھے بطور تفاؤل کے یہ خیال آیا کہ انشاء اللہ یہ ضغث یعنی جھاڑو والا قصہ کسی وقت ضرور میری سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ اس واقعہ پر کئی سال گزر گئے کہ پرسوں رات یہ مضمون قصہ ایوّب کا مسلسل میرے ذہن میں جس طرح میں نے اس کو یہاں لکھا ہے آ گیا۔ اور میں نے اسے احباب کے سامنے پیش کر دیا۔ یقین ہے اکثر دوست بھی اسے پسند فرمائیں گے۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ اور میرے لئے دعائے خیر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزا دے۔

آپ خود غور فرما کر دیکھ لیں کہ قصہ کس قدر سادہ اور روحانیت سے پُر ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کا ایک نشان ہے۔ مگر عجوبہ پسندوں کے طفیل کیسا تماشہ بن گیا ہے۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ ایک نبی بیمار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے شفایابی کی تدبیریں بتائیں وہ اچھا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اسے بیماری سے اچھا کیا بلکہ اس کے صبر کی وجہ سے اس کے مال اور اہل وعیال میں بیحد برکت دی اور جب اس نے دعا مانگتے ہوئے غلطی سے بیماری کو عذاب سمجھا تو اسے اس بات سے منع فرمایا۔ اس نے بھی فوراً توبہ کی اور مناسب الفاظ دعا کے لئے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ صرف اتنی سی بات تھی جسے الف لیلیٰ اور داستانِ امیر حمزہ بنا کر لوگوں نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ہماری چشم دید بات ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی میاں عبدالرحیم خان پسر حضرت نواب محمد علی خان کے لئے دعائے صحت کی تھی اور جب الہاماً معلوم ہوا کہ معاملہ تقدیرِ مبرم اور ہلاکت کا ہے۔

(صفحہ نمبر 316 تا 332)

صحابہ رسول ﷺ کا انفاق فی سبیل اللہ اور ایثار

(عبادہ عبداللطیف۔ یو کے)

قرآن کریم نے انفاق مال کے ساتھ بہترین اور پسندیدہ مال کی شرط لگائی ہے۔اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ دوطرح سے ہے یعنی فرض اور نفل۔

فرض یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے صحابہؓ کا اسوہ یوں تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب پھل پک جاتے اور زکوٰۃ کا وقت آتا تو صحابہؓ جوق در جوق اپنے اموال کی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے یہاں تک کہ ایک ڈھیر لگ جاتا۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کو آنحضور ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ایک صحابی کے پاس جب آپؓ پہنچے تو انہوں نے اپنا سارا مال پیش کر دیا۔آپؓ نے کہا کہ تم پر صرف اونٹنی کا ایک بچہ فرض ہے۔صحابیؓ نے عرض کیا کہ بچہ کس کام کا؟ نہ وہ سواری کے قابل ہے، نہ دودھ دیتا ہے، آپ یہ اونٹنی لے جائیں۔آپؓ نے بتایا کہ آنحضور ﷺ کی اجازت کے بغیر آپؓ اسے قبول نہیں کر سکتے تو وہ صحابیؓ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بات دہرائی۔چنانچہ آنحضور ﷺ نے اونٹنی قبول کرتے ہوئے فرمایا: فرض تو وہی ہے جو اُبی نے بیان کیا ہے لیکن اگر تم اس سے زیادہ دو تو وہ صدقہ ہوگا اور ہم اس کو قبول کر لیں گے۔

ایسے ہی کئی دیگر واقعات بھی تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ جب ہمیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجتے تو فرماتے کہ دودھ دینے والی اونٹنی وصول نہیں کرنی۔ ایک جگہ کسی نے ایک نہایت خوبصورت،جسیم اونٹنی پیش کی مگر مَیں نے قبول نہ کی۔اُس نے اصرار کیا کہ اُسکے مال میں سے بہترین اونٹنی لے لوں۔پھر میرے کہنے پر نسبتاً کم قیمت والی اونٹنی لے آیا تو مَیں نے اسے کہا کہ مَیں اسے قبول تو کر لیتا ہوں مگر اس بات سے ڈرتا ہوں کہ حضورؐ کہیں مجھ پر ناراض نہ ہوں۔

ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کے ساتھ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے۔آپؐ نے پوچھا کیا اِن کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ عرض کیا: نہیں۔فرمایا: کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن تمہارے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے۔انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپؐ کے سامنے ڈال دیئے۔

جب معاملہ زکوٰۃ کی بجائے صدقات کا ہو تو صحابہؓ کی زندگیوں میں نہایت دلکش نظارے نظر آتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کئی بار اپنا سارا مال خدا اور اُس کے رسولؐ کی خاطر پیش کر دیا۔حتیٰ کہ ہجرت کے وقت اپنا سارا مال پانچ چھ ہزار درہم بھی اپنے ہمراہ لے لئے تا کہ راستہ میں راہِ خدا میں پیش کر سکیں۔ آپؓ کی روانگی کے بعد آپؓ کے والد ابوقحافہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے،آپؓ کے گھر آئے اور آپ کی بیٹی حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ کیا تمہارا باپ کچھ گھر میں بھی چھوڑ گیا ہے یا مصیبت میں مبتلا کر گیا ہے۔ابوقحافہ کی نظر کمزور تھی۔حضرت اسماءؓ کی قوت ایمانی ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے کچھ پتھر ایک کپڑے کے نیچے رکھ دیئے اور اپنے دادا کا ہاتھ اُن پر رکھا کہ ابوبکرؓ ہمارے لئے خیر کثیر چھوڑ گئے ہیں۔اس پر ابوقحافہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔

حضرت عمرؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا نصف مال آنحضور ﷺ کے قدموں میں رکھ کر سوچا کہ آج مَیں ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔لیکن جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں پیش کر دیا اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے کہا کہ مَیں ان پر کبھی کسی چیز میں سبقت نہیں لے جا سکتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے بہترین مال کو خدا کے حضور پیش کرو تو کئی صحابہ کرام (مثلاً حضرت طلحہؓ،حضرت ابوالدحداحؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ) نے اپنے باغ صدقہ کر دیئے، بعض صحابہؓ (مثلاً حضرت عمرؓ) نے باغ کا پھل راہ خدا میں پیش کیا، کئی صحابہؓ (مثلاً حضرت اسماءؓ،حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ) نے اپنے کئی غلاموں کو آزاد کیا۔بعض صحابہؓ (مثلاً حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابن عمرؓ) نے اپنے بہترین جانور پیش کر دیئے۔

حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب کوئی چیز انہیں اپنے مال میں زیادہ پسند آتی تو اُسے اللہ کی راہ میں دے کر قرب الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔آپؓ کے غلاموں کو آپؓ کی اس عادت کا پتہ چل گیا۔چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی غلام نماز کیلئے خوب تیار ہو کر مسجد میں جا کر بیٹھ جاتا۔حضرت ابن عمرؓ اُس کو اس حالت میں دیکھتے تو خوش ہو کر اسے آزاد کر دیتے۔آپؓ کے ساتھی آپؓ سے کہتے کہ ان غلاموں میں عبادت کا شوق نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف آپؓ کو دھوکا دیتے ہیں۔آپؓ فرماتے: ''جو ہم کو اللہ کے معاملہ میں دھوکا دیگا، ہم ضرور اُس کے دھوکے میں آئیں گے''۔

حضرت عثمانؓ کی مالی قربانیوں کا شمار ممکن نہیں۔آنحضور ﷺ نے ایک خطبہ میں جب جیش عسرہ کی ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی تو آپؓ نے ایک سو اونٹ مع کجاوہ و پالان کے دینے کا وعدہ کیا۔جب آنحضور ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا تو آپؓ نے مزید ایک سو اونٹوں کا وعدہ کیا۔پھر جب آنحضورؐ نے تیسری بار توجہ دلائی تو آپؓ نے بھی مزید ایک سو اونٹوں کا وعدہ کر لیا۔تب آنحضورؐ نے آپؓ کیلئے یوں دعا کی: ''اے میرے اللہ! عثمان کو بھول نہ جانا، عثمان پر کوئی مؤاخذہ نہیں اگر آج کے بعد وہ کوئی عمل نہ کرے''۔

غزوہ تبوک میں حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں پیش کیں اور غزوہ کے کُل خرچ کا ایک تہائی پیش کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک مالدار تاجر تھے۔آپؓ نے ایک دفعہ سات سو اونٹ مع سامان تجارت کے صدقہ کئے۔ایک بار چار ہزار درہم، پھر چالیس ہزار درہم، پھر چالیس ہزار دینار، پھر پانچ سو اونٹ، پھر ڈیڑھ ہزار اونٹنیاں صدقہ کیں، کئی سو گھوڑے جہاد کے لئے پیش کئے۔

حضرت ابولبابہؓ اپنی ایک غلطی پر نادم ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمالی۔ پھر وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مکان اور سارا مال صدقہ کر دیا۔ آنحضور ﷺ نے تہائی مال کا صدقہ قبول فرمالیا۔

اسی طرح حضرت کعبؓ بن مالک کی توبہ جب قبول ہوئی تو انہوں نے بھی اپنا سارا مال بطورِ شکرانہ کے صدقہ کرنے کے لئے آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔

حضرت سلمانؓ فارسی مدائن کے گورنر تھے اور آپؓ کا وظیفہ پانچ ہزار دینار تھا۔ مگر سارا وظیفہ صدقہ کر دیتے اور خود چٹائیاں بُن کر گزارا کرتے۔ آپؓ کے بھانجے نعمان بن حمید کہتے ہیں کہ آپؓ فرماتے تھے: مَیں کھجور کے پتے ایک درہم میں خریدتا ہوں اور محنت کر کے انہیں تین درہم میں بیچتا ہوں۔ ایک درہم تو اسی کام کے لئے رکھ لیتا ہوں، دوسرا درہم اہل وعیال پر خرچ کرتا ہوں اور ایک درہم صدقہ کر دیتا ہوں۔ کوئی بھی مجھے اس کام سے روکے تو مَیں نہیں رکوں گا۔

آنحضور ﷺ نے ایک خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو صحابیاتؓ نے اپنے کانوں کی بالیاں، گلے کے ہار اور انگلیوں کے چھلے تک اتار کر حضرت بلالؓ کی چادر میں ڈال دیئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ سے زیادہ کسی کو سخی نہیں دیکھا۔ ان دونوں کے طریقے مختلف تھے۔ حضرت عائشہؓ تھوڑا تھوڑا کر کے جمع کرتیں اور جب کچھ مال جمع ہو جاتا تو تقسیم کر دیتیں لیکن حضرت اسماءؓ تو کوئی چیز پاس رکھتی ہی نہیں تھیں۔

ایک بار ایک صحابیؓ انڈے کے برابر سونا لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے، اسے بطور صدقہ قبول فرمائیے، اس کے علاوہ میرے پاس اَور کچھ نہیں ہے۔ اس پر آنحضور ﷺ نے اعراض فرمایا تو اُس صحابیؓ نے دوبارہ عرض کیا اور پھر سہ بارہ عرض کیا۔ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنا تمام سرمایہ صدقہ میں دے دیتے ہو اور پھر بھیک مانگنے لگتے ہو۔ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی انسان کے پاس کچھ مال رہ جائے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کے پاس دو اعرابی سائل آئے تو آپؓ انہیں بازار لے گئے۔ دو اونٹنیاں خرید کر اُن کا سامان خریدا اور اُن پر غلہ لاد کر اعرابیوں کے حوالہ کر دیا۔

کئی صحابہؓ نے سائل کی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض لیا۔ اور بے شمار صحابہؓ نے صدقہ و خیرات کرنے کے لئے مزدوری کی اور اپنی محنت کی کمائی پیش کر دی۔ ام المومنین حضرت زینبؓ بن جحش چمڑہ رنگنے اور سینے کے فن سے آشنا تھیں اور اس طرح جو آمد ہوتی اللہ کی راہ میں خرچ کرتیں۔ حضرت زینبؓ سوت کات کر مجاہدین کی مدد کیا کرتی تھیں۔ حضرت سودہؓ کھالیں بناتیں اور اُن سے ہونے والی آمدنی صدقہ کرتیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: ''کیا صحابہ کرام مفت میں اس درجہ تک پہنچ گئے جو ان کو حاصل ہوا۔ دنیاوی خطابوں کے حاصل کرنے کے لئے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تو پھر کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہوتی، ملتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولا کریم کی رضامندی کا نشان ہے، کیا یونہی آسانی سے مل گیا؟ بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے حاصل نہیں ہوسکتی جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں''۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 79)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اجر کے لحاظ سے سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ تُو اس حالت میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو اور مال کی ضرورت اور حرص رکھتا ہو، غربت سے ڈرتا ہو اور خوشحالی چاہتا ہو۔ صدقہ وخیرات میں ایسی دیر نہ کر یہاں تک جب جان حلق تک پہنچ جائے تو تُو کہے فلاں کو اتنے دے دو اور فلاں کو اتنا۔ حالانکہ وہ مال اب تیرا نہیں رہا وہ تو فلاں کا ہو ہی چکا یعنی اب تیرے اختیار سے نکل چکا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا بنیادی جزو ایثار ہے۔ اور سب سے افضل انفاق وہ ہے جب انسان مزید کا طلبگار ہو مگر اپنی ضروریات اور خواہشات کا قلع قمع کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا مال اور دولت قربان کر دے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو ایک چادر کی شدید ضرورت تھی۔ ایک صحابیہ نے اپنے ہاتھ سے چادر بن کر آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ اسے زیب تن کر کے صحابہ کی مجلس میں آئے تو آپؐ کے جسم مبارک پر وہ بہت جچ رہی تھی۔ مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ چادر مجھے دیدیں۔ رسول اللہؐ جب مجلس سے واپس تشریف لے گئے تو چادر ان کو بھجوادی۔ دوسرے صحابہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بہت ناراض ہوئے کہ انہوں نے چادر کیوں مانگی مگر انہوں نے کہا کہ میں نے تو یہ چادر اس لئے مانگی تھی کہ مجھے بطور کفن پہنائی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ایک صحابی حضرت ربیعہ الاسلمیؓ غربت کی وجہ سے شادی نہ کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خود ان کا رشتہ کروایا۔ ولیمہ کا وقت آیا تو حضورؐ نے انہیں فرمایا: عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری لے آؤ۔ وہ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ٹوکری میں تھوڑا سا آٹا ہے اور اس کے علاوہ کھانے کی کوئی اَور چیز نہیں لیکن چونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے اس لئے لے جاؤ چنانچہ اس آٹے سے ولیمہ کی روٹیاں پکائی گئیں۔

حضرت ابو بصرہ غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں قبول اسلام سے قبل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے مجھے بکری کا دودھ پیش کیا جو آپ کے اہل خانہ کے لئے تھا۔ حضورؐ نے مجھے سیر ہو کر وہ دودھ پلایا اور صبح میں نے اسلام قبول کر لیا۔

ایک بار حضرت علیؓ نے کسی معاملہ میں درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا ابھی تو اہل صفہ کا انتظام نہیں ہوا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں دیدوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ بھوک سے ان کے پیٹ دہرے ہوتے رہیں۔

یہی سبق تھے جو آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ نے اپنے آقا و مولیٰ سے سیکھے۔ اور پھر مالی قربانی کے نتیجہ میں جو برکتیں نازل ہوئیں اُن کا بھی مشاہدہ کیا۔ حضرت

دکینؓ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم 440 آدمی تھے اور ہم نے حضورؐ سے غلہ مانگا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا اٹھو اور انہیں دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے پاس تو صرف اتنا ہے جو میرے اور میرے بچوں کے لئے گرمی کے موسم میں کفایت کرے۔ آپؐ نے فرمایا اٹھو اور دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر گھر آئے۔ کمرہ کھولا تو وہاں کھجوروں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔ ہم میں سے ہر آدمی نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا۔ مگر خدا کی قدرت کے اس ڈھیر میں ذرّہ برابر کمی نہ آئی۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا آج تم میں سے کسی نے مسکین کو کھلایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فوراً اٹھے گھر پہنچے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اس سے لے لیا۔ وہ لے کر مسجد گئے اور وہاں ایک سائل ملا تو روٹی کا وہ ٹکڑا اسے دیدیا۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کے پاس کسی سائل نے آکر سوال کیا تو آپ نے حضرت حسنؓ یا حسینؓ سے فرمایا کہ اپنی امّاں سے جا کر کہو میں ان کے پاس چھ درہم چھوڑ آیا ہوں ان میں سے ایک درہم دیدیں۔ چنانچہ وہ صاحبزادے گئے اور واپس آکر کہا کہ اماں جان کہتی ہیں کہ آپ نے آٹا خریدنے کے لئے وہ چھ درہم چھوڑے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بندے کا ایمان سچا نہیں ہوسکتا جب تک کہ بندہ کو اس چیز پر جو اللہ کے قبضہ میں ہو، زیادہ اعتماد نہ ہو بہ نسبت اس چیز کے جو بندے کے قبضہ میں ہو۔ پھر فرمایا کہ جا کر اپنی اماں سے وہ چھ درہم لے آؤ۔ حضرت فاطمہؓ نے وہ رقم بھیج دی اور حضرت علیؓ نے وہ چھ کے چھ درہم اس سائل کو دیدیئے۔

اسی طرح ایک مسکین نے حضرت عائشہؓ سے کچھ مانگا۔ اس دن آپ روزہ سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک چپاتی کے اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا یہ روٹی سائل کو دیدو۔ خادمہ نے کہا کہ پھر آپ کس چیز روزہ افطار کریں گی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ روٹی ضرور اس سائل کو دیدی جائے۔

ایک دفعہ کسی مسکین نے حضرت عائشہؓ سے کھانا طلب کیا۔ ان کے سامنے انگور کا ایک خوشہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے ایک آدمی سے کہا کہ یہ خوشہ اٹھا کر سائل کو دے دو۔ اس آدمی نے تعجب کیا مگر آپ نے یہ آیت پڑھی: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه اگر کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اس کا بدلہ پائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ شام ہونے تک آپؓ نے سب کے سب تقسیم کر دیئے۔ اس دن آپ کا روزہ بھی تھا۔ جب افطاری کا وقت آیا تو لونڈی نے آپؓ سے کہا کہ گھر میں آج افطاری کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک بار بیمار تھے۔ آپ نے فرمایا: میرا دل مچھلی کھانے کو چاہتا ہے۔ لوگوں نے آپ کے لئے مچھلی تلاش کی۔ بڑی تلاش کے بعد صرف ایک مچھلی ملی جسے ان کی بیوی حضرت صفیہ نے کھانے کے لئے تیار کر دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے پیش کیا۔ اتنے میں ایک مسکین آیا اور حضرت ابن عمرؓ کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ انہوں نے مچھلی اٹھا کر اسے دیدی۔ گھر والوں نے عرض کیا کہ آپ نے تو ہمیں اس مچھلی کی تلاش میں تھکا دیا تھا، ہم مسکین کو درہم دیدیتے ہیں، وہ درہم اس کے لئے مچھلی سے زیادہ مفید ہوگا، آپ مچھلی کھا کر اپنی خواہش پوری کیجئے۔ مگر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس وقت میرے نزدیک یہی مچھلی محبوب ہے اور مَیں اِسے ہی صدقہ کروں گا۔

حضرت سعید بن عامرؓ ایک دفعہ شدید مالی مشکلات کا شکار ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا جب ان کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک ہزار دینار حضرت سعیدؓ کو بھجوا دیئے۔ وہ یہ دینار لے کر اپنی بیوی کے پاس آئے اور واقعہ بتایا۔ بیوی نے کہا آپ اس رقم سے کچھ کھانے پینے کا سامان اور غلہ خرید لیں۔ فرمانے لگے کیا میں تجھے اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔ ہم اپنا مال اس کو دیتے ہیں جو ہمارے لئے تجارت کرے اور ہم اس کی آمدنی سے کھاتے رہیں اور اس مال کی ضمانت بھی وہی دے۔ بیوی نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ حضرت سعیدؓ بن عامر نے وہ تمام دینار اللہ کی راہ میں خرچ کردیئے اور تنگی اور ترشی میں گزارہ کرتے رہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بہت زیادہ مبتلائے مشقت ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا آج کی رات اسے کون مہمان کے طور پر ٹھہرائے گا۔ حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ میں۔ چنانچہ وہ اسے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کے لئے ہے؟ اس نے کہا سوائے بچوں کے کھانے کے اَور کچھ نہیں۔ انہوں نے بیوی سے کہا: بچوں کو کسی چیز سے بہلا دے اور جب وہ شام کا کھانا مانگیں تو انہیں سلا دے۔ اور جب ہمارا مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا۔ چنانچہ انہوں نے مہمان کی آمد پر چراغ گل کر دیا اور بچوں کو سلا دیا اور خود دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ بیٹھ کر اندھیرے میں منہ ہلاتے رہے گویا کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح گھر کے سب لوگ فاقہ سے رہے اور مہمان نے سیر ہوکر کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اس واقعہ کی خبر دی۔ حضورؐ نے صبح حضرت ابوطلحہؓ کو بلایا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ رات تم نے مہمان کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ تعالیٰ کو تم دونوں کی یہ بات بہت پسند آئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک جمعہ کو ایک بدحال شخص مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی خاطر صدقہ کی تحریک فرمائی۔ صحابہؓ نے کچھ کپڑے پیش کئے تو رسول اللہؐ نے وہ کپڑے اسے دیدیئے۔ اگلے جمعہ کو وہ پھر آیا اور رسول اللہؐ نے جب صدقہ کی تحریک کی تو اس نے دو کپڑوں میں سے ایک پیش کر دیا۔ مگر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم اپنا کپڑا اٹھا لو۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک غریب قوم کے لوگ حاضر ہوئے جو ننگے پاؤں اور ننگے بدن تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر تھا اور آپ نے صحابہؓ کو جمع کر کے خطاب کیا اور ان کے لئے صدقہ کی تحریک فرمائی۔ صحابہؓ نے دینار، درہم، کپڑے اور جو اور کھجور صدقہ کیا یہاں تک کہ کپڑوں اور غلے کے دو ڈھیر جمع ہوگئے۔ حضرت جریرؓ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ کا چہرہ یہ منظر دیکھ کر سونے کی ڈلی کی طرح چمک رہا تھا۔

اگرچہ صحابہ کرام کی قربانیاں اکثر ایسی پوشیدہ ہوتی تھیں کہ جن کا اظہار ہوجانا کسی طور وہ پسند نہیں کیا کرتے تھے تاہم یہ چند ایک مثالیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں کہ ہم سب کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتی ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر...... ''مدینہ منورہ''

(سید حسن خان۔ لندن)

مدینہ منورہ کے چھ نام معروف ہیں: یثرب، مدینہ منورہ، طابہ، طیبہ، الدّار اورالایمان۔مسلمانوں کی ہجرت سے قبل اس کا نام یثرب تھا۔مگر ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام مدینہ رکھا۔

مدینہ منورہ سعودی عرب کے مغرب میں واقع ہے اور سطح سمندر سے 625 میٹر بلند ہے۔ مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ 430 کلومیٹر (تقریباً 340 میل) ہے۔موسم خشک ہے۔موسم گرما میں درجہ حرارت 30 سے 45 کے درمیان اورموسم سرما میں 10 سے 25 ڈگری کے درمیان رہتا ہے۔ بارشیں عموماً نومبر اور جنوری سے اپریل تک ہوتی ہیں۔یہاں کی ہوا عموماً پُرسکون رہتی ہے۔

شہر کی تاریخی حیثیت

حضرت نوح علیہ السلام کے پوتوں میں سے چھٹی یا آٹھویں نسل نے اس شہر کو بسایا تھا۔اس کا قبیلہ ''عبیل'' کے نام سے معروف ہے۔مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اورلوگوں نے بھی انفرادی اوراجتماعی طور پر اس مبارک بستی کا رُخ کیا۔اس کے بعد قوم عمالیق کے لوگ بھی آئے جنہوں نے اس بستی کو زراعتی بستی بنادیا۔ 589 قبل مسیح میں بابل کے فرمانروا بخت نصر نے یہود کو نکالا تو ان میں سے بڑی تعداد نے یہاں آکر پناہ لی۔ 132ء میں یہودیوں کے دیگر قبائل نے دوسری صدی عیسوی میں یہاں آکر بودوباش اختیار کی جن میں بنونضیر، بنو قریضہ اور بنوقینقاع مشہور قبائل تھے۔ان قبائل نے اپنی روایتی تجارت اور زراعت پر اپنی توجہ مرکوز کی۔بعد میں دوقبائل 'اوس' اور 'خزرج' نے یمن سے ہجرت کر کے یثرب کے غیر آباد علاقہ کو اپنا مسکن بنایا۔یہودیوں نے ان دو قبیلوں سے مزدوری لینی شروع کی۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ جب یہ دو قبیلے بھی اپنی محنت سے طاقت پکڑ تے گئے تو یہودیوں کے دلوں میں ان کے لئے نفرت کے جذبات اُبھرنے لگے۔پھر یہودیوں نے ان سے اپنے عہدو پیمان توڑ کر ان پر ظلم وستم ڈھانا اور ہر لحاظ سے تنگ کرنا شروع کردیا۔بعضوں کو قتل بھی کردیا جس سے اوس اورخزرج قبیلوں نے شام کے غسان قبیلہ سے مدد طلب کی۔ چنانچہ غسان قبیلہ نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے بھیجا جس نے یہودیوں کی شان وشوکت کو خاک میں ملادیا۔مگر پھر بھی اوس اورخزرج قبیلوں کی یہودیوں کے قبیلوں سے تقریباً ایک سو بیس سال تک خونریز جنگ چلتی رہی۔آخری اورمشہور جنگ ''بعاث'' تھی جس میں فریقین کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہوئی۔ اسلام سے پہلے مدینہ منوّرہ کی آبادی تقریباً بارہ ہزار تھی۔ 2012ء میں یہاں کی آبادی گیارہ لاکھ سے اوپر ریکارڈ کی گئی۔

622ء میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔اوس اورخزرج کے قبائل کے ساتھ یہود قبائل کی برسوں سے جاری عداوت ختم ہونے لگی۔یہودیوں اوراوس اورخزرج کے قبیلوں میں سے بعض نے اسلام قبول کرلیا اور باقی یہود نے اپنے مذہب پر رہتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت کے ساتھ رہنے کا عہد کرلیا۔



حضرت امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا اوراس کے لئے دعا کی ہے۔مَیں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ نیز ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ مدینہ منورہ عیر پہاڑی سے ثور پہاڑی تک حرم ہے۔جس نے یہاں کوئی برائی کی یا کسی برائی کرنے والے کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں اورتمام انسانوں کی لعنت ہو۔

مسجد نبوی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد اُس جگہ ایک مسجد کی بنیاد رکھی جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔مسجد کی اُس وقت بناوٹ چوکور تھی اور رقبہ تقریباً 1060 مربع میٹر تھا۔628ء میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مسجد تنگ ہوگئی تو آپؐ نے اس کی توسیع کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اس کا رقبہ 2475 مربع میٹر ہوگیا۔ پھر 706ء میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اس کی توسیع کی اور حضرت عائشہؓ کا حجرہ جس میں مزار مبارک بھی تھا، مسجد کا حصہ بنادیا۔پھر عباسی خلیفہ مہدی نے توسیع کر کے مسجد نبوی کا کُل رقبہ 8890 مربع میٹر کردیا۔اس کے بعد اس کی توسیع کئی بار ہوئی اور 1984ء میں ہونے والی توسیع کے بعد مسجد نبوی کا کل رقبہ 4327000 مربع میٹر ہوگیا۔ 2005ء میں مسجد نبوی کے صحن میں دھوپ سے بچاؤ کے لئے 250 بڑی چھتریاں اور پنکھے لگوائے گئے نیز ہوا کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے پانی اسپرے کرنے کا انتظام کیا گیا۔اس وقت مسجد میں تقریباً 20 لاکھ نمازیوں کی گنجائش موجود ہے۔

حضرت امام بخاریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اورمنبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ اور روضہ شریف وہ جگہیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یعنی (حجرہ حضرت عائشہؓ) سے منبر شریف کے درمیان میں واقع ہیں۔ اس روضہ مبارک کے قبلہ والی دیوار میں وہ محراب ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے۔سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس محراب کو

تعمیر کروایا تھا۔ یہ ’محرابِ نبوی‘ کہلاتی ہے۔اسی طرح ریاض الجنتہ کے مغربی کونہ پر منبر شریف ہے۔ اس میں بہت سے ستون اور چند خوبصورت معروف محرابیں ہیں۔ستونوں اور محرابوں سے کئی تاریخی واقعات وابستہ ہیں مثلاً

محرابِ عثمانی: یہ محراب مسجد نبوی کے اگلے حصہ میں قبلہ والی دیوار میں ہے۔ یہاں حضرت عثمان غنیؓ نماز پڑھایا کرتے تھے۔آجکل یہیں پر امامت ہوتی ہے۔

محرابِ تہجد: یہاں پر عموماً آنحضرت ﷺ تہجد ادا فرماتے تھے۔

محرابِ سیدنا فاطمہؓ: جہاں پر حضرت فاطمہؓ کا گھر تھا۔

محرابِ سلیمانی: اس محراب کو طوغان شیخ نے 1455ء میں بنوایا تھا۔ پھر سلیمان قانونی نے 1531ء میں اس کی تجدید کروائی اس لئے یہ محراب سلیمانی کہلائی۔

منبر شریف: آنحضرت محمد ﷺ لکڑی کے بنے ہوئے جس منبر سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس میں تین درجے تھے۔اس کو محرابِ نبوی کی مغربی جانب رکھ دیا گیا تھا۔ 1226ء میں مسجد نبوی کو آگ لگنے سے یہ منبر بھی جل گیا۔جس کو بعد میں سلطان مراد عثمانی کے دَور میں 1589ء میں دوبارہ تیار کیا گیا۔

محرابِ صفہ: یہ محراب اُن اصحاب صفہ (فقراء اور مساکین) کے مقام کی یاد دلاتی ہے جو بغیر بیوی بچوں کے تھے اور جن کا خاص کام تعلیم قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کرامؓ سے احکام شریفہ کا سیکھنا اور سکھانا تھا۔

مسجد نبوی کے علاوہ مدینہ منورہ میں چند اور بھی مشہور مساجد تعمیر ہوئیں۔مثلاً

مسجد قباء: یہ وہ پہلی مسجد ہے جو زمانۂ اسلام میں تعمیر ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضور ﷺ نے اس مسجد کی جگہ متعین فرمائی اور اس کی تعمیر میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ آپ گاہے بگاہے یہاں تشریف لے جاتے اور اس مسجد میں نماز ادا فرماتے۔ خصوصاً ہفتہ کے روز آپؐ یہاں تشریف لے جایا کرتے۔حدیث ہے کہ اس مسجد میں جس نے نماز پڑھی تو اس کو عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (سنن ابن ماجہ)۔اس مسجد کی فضیلت کی وجہ سے ہر دَور میں اس مسجد کی توسیع جاری رہی۔

مسجد جمعہ: اس مسجد کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اس جگہ جمعہ کی نماز ادا کی۔

مسجد اجابہ (مسجد بنومعاویہ): یہ مسجد نبوی کے شمال مشرق میں 580 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بنو امیہ کے محلّہ میں عہد نبوی میں تعمیر ہوئی۔

مسجد ابوذر (مسجد السجدہ): یہ مسجد نبوی سے 900 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور مسجد السجدہ اور مسجد الشکر کے نام سے بھی معروف ہے۔

مسجد میقات: مسجد نبوی سے تقریباً 12 کلومیٹر دُور اس مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے 712ء میں تعمیر کروایا۔اس میں احرام باندھنے کی سہولیات میسر ہیں۔

مسجد قبلتین: یہ تاریخی مسجد قبیلہ بنوسلمہ خزرجی کے علاقہ میں تھی اور مسجد نبوی سے 5 کلومیٹر دُور ہے۔اسی مسجد میں آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرما رہے تھے تو آپؐ کو وحی کے ذریعہ قبلہ کی تحویل کا ارشاد ملا۔اس مسجد میں ایک حصہ خواتین کے لئے خاص ہے جس کا رقبہ 400 مربع میٹر ہے۔ یہ مسجد بہت خوبصورت ہے اور اس میں قبلۂ اوّل کی سمت کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مسجد رایہ: یہ مسجد زباب پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دَور میں 706ء میں تعمیر ہوئی۔اس کا رقبہ صرف 61 میٹر اور اونچائی 5 میٹر ہے۔

مسجد غمامہ (مصلی): ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز یہاں ادا فرمائی تھی۔ عثمانی فرمانروا عبدالمجید نے 1858ء میں اس کی تعمیر نَو کی تھی۔

مسجد ابوبکر صدیقؓ: یہ مسجد نبوی سے 100 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔روایت ہے کہ اس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز ادا فرمائی تھی۔آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی عید کی نماز ادا کی اور یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔

مسجد عمر بن خطابؓ: اس مسجد کی تعمیر شمس الدین محمد بن احمد اسلاوی نے 1446ء میں کرائی جبکہ تجدید کا کام عثمانی فرمانروا عبدالمجید اوّل نے 1849ء میں کروایا۔

مسجد علی بن ابی طالبؓ: یہ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں تقریباً 300 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔روایت ہے کہ اس جگہ پر بھی آنحضرت ﷺ نے نماز عید پڑھائی تھی اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بھی یہاں نماز عید پڑھائی۔سب سے پہلے اس مسجد کی تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد مبارک میں 712 ہجری میں ہوئی۔

مساجد فتح: سلع پہاڑ کی مغرب سمت میں مختلف ناموں کی چھوٹی چھوٹی 6 مساجد ہیں۔ پہلے اس کا نام مسجد فتح (یا مساجد فتح) تھا مگر اس وقت یہ ''مساجد سبعہ' (سات مساجد) کے نام سے معروف ہے۔ان میں سے مشہور مسجد فتح ہے۔ جہاں پر جنگ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا۔اور آپؐ نے تین دن تک اسی جگہ پر کامیابی کی دعائیں کیں۔ دیگر مساجد بھی قریب ہی واقع ہیں۔مگر ان سب مساجد کے قریب ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد خندق ہے۔

چند مشہور مقامات

جرف: یہ مقام مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں مسجد نبوی سے تقریباً 7 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔نہر وادی عقیق یہیں سے گزرتی ہے۔

حمراء الاسد: یہ جگہ مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے 16 کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔غزوہ احد سے فارغ ہو کر جب آنحضور ﷺ کفار کے تعاقب میں تشریف لے گئے تو یہاں پر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا اور تین دن قیام فرمایا۔

اسغابہ: یہ جنگل مدینہ منورہ کے شمال میں پست علاقہ ہے۔اس میں وادیاں اور چشمے ہیں۔6 ہجری میں اس علاقہ سے آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں چرالی گئی تھیں۔ایک شخص عیینہ بن حصن فزاری، غطفان کے لوگوں کو ساتھ ملا کر، اونٹنیوں کو ہنکا کر لے گیا اور ان کی چرواہی پر مامور خادم کو قتل کر دیا۔علم ہونے پر مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور جانوروں کو چھڑوالیا۔اس واقعہ کو پھر غزوۂ غابہ قرار دیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کے طبعی آثار

جبل اُحد: یہ پہاڑ مسجد نبوی کے شمال میں ساڑھے چار کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔اس کی لمبائی آٹھ کلومیٹر اور عرض دو سے تین کلومیٹر کے درمیان ہے۔اس کی سب سے بلند چوٹی 300 میٹر بلند ہے۔اس پہاڑ کے دامن میں غزوہ احد 2 ہجری میں پیش آیا تھا۔حضرت امام بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔

جبل عینین (رماۃ پہاڑی): یہ پہاڑ جبل احد کے نزدیک واقع ہے۔احد کا معرکہ اس جگہ پر واقع ہوا تھا۔اس پہاڑی کی لمبائی 180 میٹر ہے اور چوڑائی 40 میٹر۔ اسی کے نیچے سے وادی قناۃ نکلتی ہے۔

جبل عَیر: یہ پہاڑی مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے 8 کلومیٹر دور ہے۔اس کا طول دو ہزار میٹر اور عرض 70 میٹر ہے۔اس کا اوپر کا حصہ ہموار ہونے

کی وجہ سے اس کو گدھے کی پشت کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مدینہ کی حد قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: مدینہ عیر اور ثور کے درمیان حرم ہے۔

جبل سلع: یہ پہاڑ مسجد نبوی کے مغرب میں 5 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا طول ایک ہزار میٹر اور عرض تین سو سے آٹھ سو میٹر کے درمیان ہے جبکہ بلندی 80 میٹر ہے۔ اس کے مغربی دامن میں غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے خیمے نصب فرمائے تھے۔

مدینہ منورہ کی وادیاں

وادی بطحان: یہ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی وادی ہے جو چھوٹی چھوٹی کئی وادیوں سے مل کر بنی ہے۔ ذیلی وادیوں میں سے بعض وادیاں درج ذیل ہیں:

وادی رانوناء: یہ وادی مدینہ منورہ کے شمال میں ایک پہاڑ کی گھاٹی سے شروع ہوتی ہے اور شمال کا رُخ اختیار کرتی ہوئی محلّہ قباء اور اس کے باغوں میں سے گزرتی ہوئی قربان علاقہ سے ہوکر مغرب میں وادی بطحان کے نالے میں گرجاتی ہے۔ اس طرح وادی بطحان کا جُزو بن جاتی ہے۔ مسجد قباء سے شمال میں 900 میٹر کی دوری پر اس کا محل وقوع ہے۔ اس وادی کی نالی موجود ہے تاہم بعض حصے ختم ہوچکے ہیں۔

وادی قناۃ (الشظا): یہ وادی مدینہ منورہ کے شمال مشرق سے مدینہ میں آتی ہے اور اُحد پہاڑ کے قریب سے گزرتی ہوئی مجمع اسیال (زعابہ) کے مقام پر وادی عقیق بن جاتی ہے۔ 1926ء میں مدینہ منورہ کی شمالی پہاڑیوں میں جب آتش فشاں نے لاوہ اُبلا تھا تو اِس وادی کا رُخ مدینہ منورہ کی بجائے شمال کی جانب ہوگیا تھا۔ اس لئے اس کے بہاؤ کی جگہ پر آتش فشاں پہاڑوں کے پتھر جمع ہوگئے ہیں۔ اس کے بہاؤ کے رُخ میں تبدیلی کی وجہ سے اس کے خلف میں ایک بڑا تالاب بن گیا تھا جو چند سال تک باقی رہا۔ پھر عاقول کے علاقہ میں دیوار بنادی گئی جس کے بعد سے پانی کی خاصی مقدار یہاں جمع ہوجاتی ہے اور بارش کا پانی کئی ماہ تک ٹھہرا رہتا ہے۔

مدینہ منورہ کے علمی وثقافتی اور فلاحی ادارے

مدینہ منورہ میں کئی علمی وثقافتی ادارے ہیں جن کا فیض دنیا بھر میں پہنچتا ہے۔ ان اداروں کے تحت شہر مدینہ سے متعلق کتب پر مشتمل ایک عظیم کتب خانہ تیار کیا گیا ہے۔ نیز مدینہ منورہ سے متعلق تمام معلومات کا سوفٹ ویئر تیار کیا گیا ہے جو al-madina.org پر دستیاب ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے متعلق کتب کی اشاعت کے علاوہ ایسی وڈیو فلمیں اور CDs تیار کی جاتی ہیں جو مدینہ کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں۔ عثمانی دور کی قریباً ایک لاکھ دستاویزات جو مدینہ منورہ کے متعلق تھیں سب کمپیوٹر میں محفوظ کردی گئی ہیں۔

یہی ادارے دیگر امور بھی سرانجام دیتے ہیں۔ مثلاً

شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس: یہ پریس قرآن کریم کی مختلف قراءات کا جائزہ لیتا ہے نیز قرآن کریم کی طباعت اور نگرانی کرتا ہے۔ سالانہ قریباً ایک کروڑ تیس لاکھ نسخے شائع ہوکر تیار کئے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز لائبریری: مسجد نبوی کے مغرب میں صحن کے ساتھ ہی یہ لائبریری 1983ء میں قائم ہوئی تھی جس میں مختلف علوم وفنون کی پرانی کتب کی تعداد 25 ہزار سے زیادہ ہے جبکہ جدید کتب کی تعداد قریباً 60 ہزار ہے۔ اس لائبریری میں قرآن کریم کے 1095ء سے تیرھویں صدی کے آخر تک کے اکثر نسخہ جات موجود ہیں۔ لائبریری میں خواتین کے لئے علیحدہ جگہ مخصوص ہے۔

مسجد نبوی کا کتب خانہ: مسجد نبوی کے اندر قائم یہ لائبریری روزانہ صبح ساڑھے سات بجے سے عشاء کے بعد تک کھلی رہتی ہے۔

اقتصادی معلومات کا شہر: یہ ایک شاندار ترقیاتی منصوبہ ہے جس پر کام جاری ہے۔ مسجد نبوی کے مشرق میں 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر بنایا جارہا ہے۔ اس میں جدید اقتصادی اور اعلیٰ سائنسی ادارے (یونیورسٹیاں بھی) شامل ہوں گے۔ نئے طرز کے سکول، تربیتی مراکز، ہسپتال، دفاتر، نیز دقیق سائنسی آلات کا صنعتی کامپلکس بھی موجود ہوگا۔ نیز جدید رہائشگاہیں، سرسبز میدان، عجائب گھر اور بڑے بڑے تجارتی مراکز بھی ہوں گے۔ یہ شہر ریلوے کے ذریعہ مسجد نبوی کے ساتھ منسلک ہوگا۔

مدینہ منورہ کے معلمین کا مقامی ادارہ: یہ معلمین کی مقامی تنظیم ہے جو اُن افراد پر مشتمل ہے جن کے آباواجداد نے ماضی میں حجاج کرام کی خدمت کی ہو۔ ان میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جو دیندار اور علم وسنجیدگی سے متصف ہوں۔

اس ادارہ کی ایک انتظامی کمیٹی ہے جو انتظامات اور حجاج کرام سے متعلق امور کو تربیت دیتی ہے اور حج کے تعاون اور ان کی سرپرستی میں مدد کرتی ہے۔ جن میں حجاج کرام کی رہائش، ٹرانسپورٹ، مواصلات اور ان کے استقبال و رخصت سے متعلق امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی صحت، ادویات، علاج معالجہ اور وفات پاجانے پر ان کی تدفین وغیرہ سے متعلق ذمہ داری بھی ادا کرتی ہے۔ اس ادارہ کا نام خدمت الحاج شرف وامانۃ ومسئولیہ ہے۔

سیرۃ نبوی ایکزیبیشن: اس ایکزیبیشن میں پیدائش سے وفات تک مکّی اور مدنی دونوں زمانوں میں آنحضرت ﷺ کے حسب ونسب، آپؐ کی پیدائش، نشوونما، نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی، ہجرت کے واقعات نیز مدینہ منورہ کا پہلا اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آیا۔ ان سب کے بارہ تفصیلی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ نیز امہات المومنین کی زندگی اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی طرز زندگی، احادیث کی روایات میں ان کے کردار پر ٹھوس معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یہ ادارہ مسجد نبوی کی بونڈری کے مغربی جانب ملک سعود کے گیٹ کے سامنے واقع ہے۔

مدینہ منورہ ایکزیبیشن کے بارہ مزید یہ بھی ہے کہ اس میں ابتداء سے سعودی زمانہ تک مدینہ منورہ کی تاریخ کے اہم پہلو پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ اس ادارہ میں رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ میں مدینہ منورہ کے شہری حالات، آبادی کی تقسیم اور کچھ اہم یادگاروں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اس میں مسجد نبوی کی تعمیر کی تاریخ اور عہد نبوی سے سعودی حکومت تک ہونے والی توسیع کے مختلف مراحل اور اہم یادگاروں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تعلیمی ادارے

اسلامی یونیورسٹی: 1961ء سے مدینہ منورہ یونیورسٹی (جامعۃ الاسلامیہ) قائم ہوئی جس میں دنیا بھر سے طلباء تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ یہاں تعلیم کے حصول کے علاوہ ریسرچ کا کام بھی ہوتا ہے۔ اس کے شعبہ جات میں قرآن مجید واسلامیات، حدیث شریف کالج، شریعت اسلامی کالج، دعوت واصول دین کالج اور عربیہ کالج، سائنس کالج، کمپیوٹر سائنس، انجینئرنگ نیز غیر عرب عوام کے لئے عربی زبان سیکھنے کا شعبہ، ہائی سکولز، میڈیکل کالج، فارمیسی کالج اور مینجمنٹ وغیرہ ہیں۔

طبیہ کالج: 2004ء میں چند کالجوں کو ضم کر کے طبیہ یونیورسٹی تشکیل دی گئی۔ ان کالجوں میں طبیہ کالج، آرٹ وانسانی علوم کالج، بزنس ایڈمنسٹریشن کالج، لاء کالج، سائنس ومیڈیکل کالج، ڈینٹل کالج نرسنگ کالج اور بے شمار دیگر شعبہ جات کے کالجز شامل ہیں۔ یہاں 2013ء تک تعلیم یافتہ طلباء وطالبات کی تعداد 60ہزار سے زیادہ تھی۔

پیشہ ورانہ تعلیمی ادارہ: اس ادارے کے تحت بہت سے کالجز اور ٹیکنیکل ادارے کھولے گئے۔ جس میں طلباء کے لئے ٹیکنیکی، مینجمنٹ، کمپیوٹر ٹیکنالوجی، الیکٹرک الیکٹرانک ٹیکنالوجی ادارے ہیں۔ اس طرح سیاحت کالج وغیرہ جس میں تعلیم پانے والے طلباء کی تعداد 5147 کے قریب ہے۔

مدینہ منورہ میں طبّی تعلیم کا کالج: اس ادارہ کے تحت امراض سے بچاؤ کی تدابیر اور باقاعدہ علاج معالجہ کی سہولیات میسر ہیں جن میں صحت کی فضا قائم رکھنے اور متعدی بیماریوں سے بچاؤ کے علاوہ سڑکوں کی صفائی، میدانوں کی صفائی، زہریلے جراثیم ختم کرنے کے لئے دواؤں کا استعمال۔ نیز کھانے پینے کی اشیاء کی نگرانی اور ان کی مناسب چیکنگ، بالخصوص حج اور رمضان کے مواقع پر جبکہ بڑی تعداد میں زائرین یہاں آتے ہیں۔ وزارتِ صحت کے تحت ہر محلّہ میں طبی مراکز کھولے گئے ہیں جہاں پر مفت علاج کیا جاتا ہے۔ ان کی تعداد 43 ہے۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں 8 بڑے سرکاری ہسپتال ہیں جہاں پر مفت علاج کی سہولتیں مہیا ہیں۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ ہسپتال بھی ہیں۔

مدینہ منورہ میں زراعت وکاشتکاری

مدینہ منورہ شروع سے ہی ایک شاداب علاقہ ہے۔ پانی کی فراوانی ہے۔ قدیم زمانے سے ہی یہاں کے باشندوں کا پیشہ کاشتکاری اور زراعت ہے۔ کھجوروں کی کاشت، انگوروں کے باغات اور سبزیوں کی پیداوار میں یہ شہر مشہور ہے۔ عہدِ نبوی میں زراعت کے پیشہ نے خوب ترقی کی۔ مہاجرین میں سے بہت سے افراد نے زراعت کے پیشے کو اختیار کیا۔ شروع میں تو پھل کاٹنے اور مزوری یہودیوں کی کرتے تھے مگر بعد میں یہودیوں کے مدینہ سے نکل جانے کے بعد پھر مہاجرین کو آزادی سے کاشت کرنی شروع کی۔

بنوامیہ کے عہد میں مدینہ منورہ کے ہر چہار سمت نئے نئے باغات اور کاشت کے کھیت بن گئے۔ اس کے بعد عہد سعودی میں مدینہ منورہ میں وافر مقدار میں تازہ سبزیاں، پھل اور کھجوروں کی کاشت کی کثرت ہوگئی۔ کھجوروں کی قسموں میں عجوہ، عنبر، برنی، شلبی، روتانہ، نعمانی، صفادی، خضری اور کئی قسموں کی کھجوریں اُگنی شروع ہوگئیں۔ 2010ء کے اعداد شمار کے مطابق کاشت کی زمینوں کا رقبہ 26ہزار 918/ایکڑ ہے۔ جس میں تقریباً 18502 ایکڑ میں کھجوروں کے درخت ہیں۔ جس سے تقریباً 139924 ٹن کھجور کی پیداوار ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں مرغیوں کی پیداوار کے لئے بہت سارے پولٹری فارمز بھی کھولے گئے ہیں۔

مدینہ منورہ میں تفریح گاہیں!

مدینہ منورہ کی میونسپل کمیٹی نے مختلف مقامات پر بہت سے پارک اور تفریح گاہیں بھی بنائی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

مرکزی پارک: یہ قباء کے علاقہ میں ہے اور قریباً 3 سے 4 مربع میل پر مشتمل ہے۔

نخیل تفریح گاہ: مدینہ منورہ کے شمال میں تبوک روڈ میں ہے جس کا رقبہ ایک ہزار مربع میٹر ہے۔

بنوسقیفہ باغیچہ: مسجد نبوی کے مغرب میں مشہور تاریخی مقام سقیفہ بنوساعدہ کی جگہ پر واقع ہے۔

اس کے علاوہ بھی مدینہ منورہ کے مختلف مقامات پر پارک اور تفریح گاہیں ہیں۔ بیضاء کے نام سے مدینہ کے شمال میں ایک صحرائی تفریح گاہ بھی ہے۔

مدینہ منورہ میں تجارت

مدینہ منورہ میں زراعت کے بعد دوسرا پیشہ تجارت تھی۔ تجارتی قافلے مُلکِ شام اور ملک یمن کا رُخ کیا کرتے تھے۔ عموماً ایسے وقت میں جبکہ زراعت میں زیادہ شمولیت نہیں ہوا کرتی تھی۔ تجارت کے بازار یا مارکیٹیں چاروں اطراف میں ہوتی تھی جن میں صرف بازار، حباشہ بازار، سوق صفا یا عصبہ اور تاجر پیشہ وروں کے لئے مسجد نبوی کے مغرب میں ایک بازار کی جگہ متعین کردی تھی جو کہ بعد میں سوق مناخہ کے نام پر مشہور ہوا اور پھر یہ بازار صدیوں قائم رہا۔

عہدِ نبوی اور دورِ خلافت میں تجارت میں خوب پیش رفت ہوئی بعض قافلے صحابہ کرامؓ کے دور میں ہوا کرتے تھے۔ تجارتی قافلے اتنے بڑے ہوا کرتے تھے کہ ان کا سامان تجارت ہزاروں اونٹوں پر لادا ہوتا تھا۔ یہ قافلے مدینہ منورہ میں کپڑے، تیل، گیہوں، عطر، جواہرات، ہتھیار اور آٹا وغیرہ لاتے اور کھجور، جَو اور گھریلو برتن لے کر دوسرے علاقوں میں فروخت کرتے تھے۔

بنوامیہ کے دَور میں یہ سرگرمیاں اور تیز ہوگئیں۔ مدینہ منورہ سے ہندوستان، فارس، مصر تک سامان منتقل ہوا۔ مگر عباسی دَور حکومت میں تجارت میں مندی آگئی۔ جس کی بڑی وجہ امن وامان کی خرابی تھی۔

مدینہ منورہ کے اہم بازار

سنٹرل کھجور مارکیٹ: یہ صرف کھجور کی فروخت کی بہت بڑی مارکیٹ ہے۔

بلال مارکیٹ: یہ قربان ڈاؤن روڈ پر واقع ہے۔ ان سب بازاروں میں مقامی اشیاء، کھجور، کپڑے اور کھلونے وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ مشہور بازاروں میں قباء مارکیٹ، مدینہ انٹرنیشنل مارکیٹ، شرق اوسط مارکیٹ، البدر مارکیٹ، ساحہ مارکیٹ اور ٹوپ سنٹر شامل ہیں۔

ان کے علاوہ رنگ روڈ پر بڑے بڑے تجارتی کامپلیکس بھی ہیں جن میں ہر قسم کی مصنوعات کی ایجنسیاں ہیں اور ہر قسم کی اشیاء دستیاب ہیں۔ ان میں بچوں کے کھیلنے کی جگہیں اور ریستوران بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کے اطراف میں بہت ساری دکانیں ہیں جہاں سے زائرین اشیاء خرید سکتے ہیں۔

سعودی دورِ حکومت میں مدینہ منورہ میں پلاسٹک کی مصنوعات، قالین، بجلی کا سامان اور غذائی مصنوعات کی بے شمار فیکٹریاں کھلیں جن میں کھجور کی پیکنگ وغیرہ بھی شامل ہے۔ نیز بے شمار ایسے کارخانے بھی بنائے گئے ہیں جن میں حج کے ایام میں زائرین کے کھانے کے لئے لاکھوں پیکٹس تیار کئے جاتے ہیں۔

(حوالہ جات از ''مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں''،
شائع کردہ: علمی مواد مرکز بحوث و دراسات مدینہ منورہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت مندرجہ ذیل
عاملہ مجلس انصار اللہ برطانیہ برائے سال 2017 کی منظوری عنایت فرمائی ہے۔

رکن خصوصی	مکرم امام عطاالمجیب راشد صاحب
رکن خصوصی	مکرم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب
رکن خصوصی	مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب
رکن خصوصی	مکرم چوہدری رفیق احمد جاوید صاحب
نائب صدر اوّل	مکرم ظہیر احمد جتوئی صاحب
نائب صدر صف دوئم	مکرم فہیم انور صاحب
نائب صدر	مکرم خالد محمود صاحب
نائب صدر	مکرم رفیع احمد بھٹی صاحب
قائد عمومی	مکرم محمد محمود خان صاحب
ایڈیشنل قائد عمومی	مکرم شہباز احمد صاحب
قائد تربیت	مکرم ظہیر احمد خان صاحب
ایڈیشنل قائد تربیت	مکرم شیخ رفیق احمد صاحب
قائد تبلیغ	مکرم شکیل احمد بٹ صاحب
ایڈیشنل قائد تبلیغ	مکرم رانا عبدالودود صاحب
ایڈیشنل قائد تبلیغ	مکرم ضیاء الرحمٰن صاحب
قائد تعلیم	مکرم چوہدری عصمت اللہ صاحب
قائد تعلیم القرآن	مکرم محمد اسحاق ناصر صاحب
قائد مال	مکرم عبدالمنان اظہر صاحب
ایڈیشنل قائد مال	مکرم منصور قمر صاحب
قائد تجنید	مکرم وسیم ذاہد صاحب
قائد تحریک جدید	مکرم رانا عبداللطیف صاحب
قائد وقف جدید	مکرم مبارک چیمہ صاحب
قائد ایثار	مکرم اشفاق خان صاحب

ایڈیشنل قائد ایثار	مکرم مظفر حسین صاحب
قائد ذہانت و صحت جسمانی	مکرم حافظ مسعود احمد صاحب
قائد نو مبائعین	مکرم مصور ادریس صاحب
قائد اشاعت	مکرم راجہ منیر احمد صاحب
ایڈیشنل قائد اشاعت	مکرم محمود رفیق صاحب
زعیم اعلیٰ مقامی	مکرم محمود احمد صاحب
معاون صدر	مکرم ٹومی کالون صاحب
معاون صدر	مکرم حسن خان صاحب
معاون صدر	مکرم خالد محمود عامر صاحب
معاون صدر	مکرم ندیم الرحمٰن صاحب
آڈیٹر	مکرم میاں منصور منان صاحب
انسپکٹر بیت المال	مکرم محمود علی مرزا صاحب

ریجنل ناظمین اعلیٰ

ریجنل ناظم اعلیٰ بیت الفتوح	مکرم نوید ظفر صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ طاہر ریجن	مکرم مبشر احمد صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ نور ریجن	مکرم احمد نصیر الدین صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ مسرور ریجن	مکرم چوہدری کلیم اللہ انجم صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ ساؤتھ ریجن	مکرم ناصر احمد ملک صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ ایسٹ ریجن	مکرم مبشر صدیقی صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ مڈل سیکس ریجن	مکرم حیدر حمید صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ اسلام آباد ریجن	مکرم ڈاکٹر رضوان اللہ خان صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ ہیرٹ فورڈ شائر	مکرم چوہدری عثمان احمد صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ مڈلینڈ	مکرم سید امتیاز احمد صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ نارتھ ویسٹ ریجن	مکرم کاشف احمد صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ نارتھ ایسٹ ریجن	مکرم ڈاکٹر مظفر احمد چوہدری صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ ساؤتھ ویسٹ ریجن	مکرم منور احمد مغل صاحب
ریجنل ناظم اعلیٰ سکاٹ لینڈ ریجن	مکرم طاہر نسیم احمد صاحب

ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن

صدر مجلس انصار اللہ برطانیہ